مطالعہ علوم اسلامیہ
اردو ترجمہ
كتاب الرّهن
من الهداية
تصدرها:
المكتبة العلمية
للطباعة والنشر والتوزيع
١٥- ليک روڈ، لاہور
مغربی پاکستان

مطالعہ علومِ اسلامیہ

اردو ترجمہ

کتاب الرّھن

من الھدایۃ

پروفیسر غازی احمد

ایم۔اے (علومِ اسلامیہ گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔اے (عربی گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔او۔ایل ــ بی ایڈ

فاضل عربی (میڈلسٹ)

فاضل فارسی۔ فاضل درسِ نظامی

النّاشر: المکتبۃ العلمیۃ۔ ۱۵ لیک روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الرھن

(رہن کے احکام و مسائل کا بیان)

رہن لغت میں کسی چیز کے حبس کرنے اور روک لینے کو کہا جاتا ہے یہ حبس خواہ کسی سبب سے ہو (رہن کا لفظ قرآن کریم میں بھی حبس کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِینَةٌ یعنی ہر نفس اپنے اعمال کے وبال میں محبوس ہے۔ رہن رکھنے والے یعنی مقروض کو راہن کہا جاتا ہے۔ جس کے پاس رہن رکھا جائے اسے مُرتہِن کہتے ہیں اور جو چیز بطور رہن رکھی جائے اسے مرہون کا نام دیا جاتا ہے)۔

شرعی اصطلاح میں رہن سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی حق کے بالمقابل محبوس کرنا کہ جس حق کا استیفاء و حصول اس مرہونہ چیز سے ممکن ہو جیسا کہ قرضوں میں (اشیاء کا بطور رہن محبوس کرنا) اور رہن ایک مشروع و مباح امر ہے۔

اس کی پہلی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (وَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا) فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ یعنی اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے تو رہن بالقبض پر معاملہ کر لو۔

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلّہ خریدا اور اس کی قیمت کے عوض اپنی زرہ کو بطور رہن رکھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ رہن کی اباحت وجواز پر اجماع امت کا انعقاد ہو چکا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ رہن کا اصل مقصد حق کی وصولی کے پہلو کا استحکام ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اصل وجوب حق کی جانب کو مستحکم کرنے کے عقد پر قیاس کیا جائے گا اور وہ عقد کفالت ہے (کہ جس سے اصل حق کا وجوب مستحکم ہو جاتا ہے تو جس طرح کفالت میں وجوب فی الذمہ کے استحکام کا عقد جائز ہے کہ مقروض کے ذمہ واجب ہونے میں ایک کفیل کا ذمہ شامل کر لیا جائے اسی طرح وصولِ حق کے لیے بھی استحکام کا عقد جائز ہونا چاہیے۔ بلکہ وصولِ مال کی جانب استحکام بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ اپنے دیئے ہوئے قرض کا وصول کرنا ہی اصل مقصد ہے اور مرہون چیز وصولِ قرض کی ایک ضمانت ہوتی ہے)۔

مسئلہ:- امام قدوریؒ نے فرمایا۔ عقدِ رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اور قبضہ کرنے سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے (یعنی ایجاب وقبول

کے بعد مرہون چیز پر قبضہ کر لینے سے عقد ہر لحاظ سے مکمل ہو جاتا ہے)۔
بعض مشائخ نے کہا کہ رہن کا رکن صرف ایجاب ہے کیونکہ یہ عقد تبرّع اور احسان کے درجہ میں ہوتا ہے تو صرف تبرع کرنے والے کے الفاظ یعنی ایجاب سے مکمل ہو جائے گا (مثلاً مقروض یوں کہے کہ میں نے اس قرض کے عوض یہ چیز تمھارے پاس بطور رہن رکھی تو عقد مکمل ہوگا) البتہ مرہون شے پر قبضہ کر لینا اس عقد کے لازم ہونے کی شرط ہے ہم عنقریب ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

امام مالک کا ارشاد ہے کہ رہن کا معاملہ صرف عقد یعنی ایجاب وقبول سے لازم ہو جاتا ہے (قبضہ شرط نہیں ہوتا) کیونکہ جانبین سے رہن مال کے ساتھ مختص ہوتا ہے تو یہ بیع کی طرح ہوگا (جو صرف ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتی ہے اور قبضہ شرط نہیں ہوتا) دوسری بات یہ ہے کہ رہن اعتماد واستحکام کا عقد ہے لہذا یہ کفالت کے مشابہ ہوگا (اور عقدِ کفالت کا انعقاد صرف ایجاب وقبول سے ہوتا ہے)۔
ہماری دلیل مذکورہ بالا تلاوت کردہ آیت ہے۔ فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ (ملاحظہ کیجیے اس میں رہن بشرط القبض مذکور ہے) وہ مصدر جو کہ محل جزاء میں فاء کے ساتھ مقرون ہو اس سے امر مراد ہوتا ہے (اور مذکورہ بالا آیت میں وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ جملہ شرطیہ ہے اور فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ اس کی جزا ہے۔ رهان مصدر ہے فاء اس کے ساتھ مقرون ہے تو معنی یہ ہوگا کہ مقبوضہ رہن لو یا ایسی چیز رہن میں دو جو مقبوض ہو۔ اس کی دوسری

مثال فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ یعنی مومن غلام آزاد کرو۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ یعنی کفار کی گردنوں کو مارو)

دوسری بات یہ ہے کہ رہن ایک عقدِ تبرع ہے یعنی راہن پر لازم نہیں کیونکہ راہن رہن کے بالمقابل مرتہن پر کسی چیز کا استحقاق حاصل نہیں کرتا اسی بناء پر راہن کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا لہذا اس کا اجراء و نفاذ ضروری ہوگا۔ جیسا کہ وصیت میں نفاذ ضروری ہوتا ہے اور یہ نفاذ قبضہ ہی سے ممکن ہے (لہذا رہن کی تکمیل قبضہ سے ہوگی) ظاہر الروایۃ کے مطابق عقدِ رہن میں قبضہ کی تکمیل کے لیے تخلیہ پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ رہن کا قبضہ عقدِ مشروع کے حکم سے ہے تو یہ مبیع کے قبضہ کے مشابہ ہوگا۔ (یعنی راہن کا تخلیہ کر دینا اور مرہون شے سے اپنا قبضہ اٹھا لینا اور مرتہن سے کہہ دینا کہ وہ اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے قبضے کے قائم مقام ہوگا۔ جیسا کہ بیع میں بائع کا مبیع سے تخلیہ کر دینا مشتری کے مبیع پر قبضہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے)

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جو رہن مالِ منقول کی صورت میں ہو اس میں راہن کے قبضہ سے منتقل کیے بغیر قبضہ ثابت نہ ہوگا۔ اس لیے کہ رہن کا قبضہ ایسا قبضہ ہے جو ابتدا میں غصب کی طرح موجبِ ضمان ہوتا ہے (یعنی جس طرح مغصوب شئے کا ضمان صرف تخلیہ سے واجب نہیں ہوتا جب تک کہ غاصب اسے منتقل نہ کر لے۔ اسی طرح مرہون شئے بھی اس وقت قابلِ ضمان ہوگی جب کہ راہن کے قبضہ سے منتقل ہو جائے) بخلاف

قبضۂ خرید کے کہ خرید کی صورت میں قبضۂ ضمان کو بائع سے مشتری کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ ابتداءً ضمان کو واجب کرنے والا نہیں ہوتا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے (یعنی ظاھر الروایۃ والا قول اصح ہے کہ جس میں انتقال قبضہ کی شرط عائد نہیں کی گئی بلکہ صرف تخلیہ کو شمار کیا گیا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ جب مرہون چیز پر مرتہن نے قبضہ کر لیا با ایں طور کہ وہ چیز تقسیم کر کے، فارغ کر کے اور جدا کر کے دی گئی ہے تو عقدِ رہن مکمل ہو جائے گا کیونکہ قبضہ پورے طور پر پایا گیا لہٰذا اب عقد لازم ہو جائے گا (مقسوم کی قید کا مقصد یہ ہے کہ غیر مقسوم چیز کا عقد ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ فارغ کرنے کی شرط اس لیے لگائی کہ اگر مکان رہن کے طور پر دیا لیکن اس میں راہن کا سامان بھرا ہوا ہے تو جائز نہیں۔ متمیّز اور جدا کرنے کو اس لیے شرط قرار دیا گیا کہ اگر مرہون چیز کا کسی دوسری چیز سے پیدائشی اتصال ہو تو جائز نہیں۔ جیسے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھل رہن کے طور پر رکھے جائیں مگر درخت رہن سے مستثنیٰ ہوں کہ یہ رہن جائز نہ ہوگا)

جب تک مرتہن مرہون شے پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہوتا ہے اگر چاہے تو مرہون شے اس کے سپرد کر دے یا چاہے تو رہن سے رجوع کر لے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس عقد کا لزوم قبضہ سے ہوتا ہے کیونکہ قبضہ سے پہلے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا جب راہن نے مرہون چیز کو مرتہن کے

سپرد کر دیا اور اس نے قبضہ کر لیا تو مرہون چیز اس کے ضمان میں داخل ہو گئی (اگر مرہون شے مرتہن کے ہاں تلف ہو گئی تو اس کی قیمت کے حساب سے اتنی رقم قرض سے ساقط کر دی جائے گی)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرہون شے مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔ اس چیز کے تلف ہو جانے سے قرض میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مالِ مرہون مرتہن کے استحقاق و ملکیت میں نہیں جاتا آپ نے یہ کلمہ تین بار فرمایا۔ بعد ازاں فرمایا کہ مرہون شے کا نفع مالک کے لیے ہے اور اس کا تاوان بھی اسی پر ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ مالِ مرہون قرض کے عوض مضمون نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ رہن قرض کے اعتماد و استحکام کے لیے ایک عقد ہے لہٰذا مرہون کے تلف ہونے سے قرض ساقط نہ ہوگا جیسے دستاویز کے تلف ہو جانے سے قرض ساقط نہیں ہوتا۔ قرض ساقط نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رہن کے ذریعے استحکام کی وجہ سے قرض کی حفاظت کے معانی میں زیادتی آجاتی ہے اور مرہون کے تلف ہو جانے پر قرض کا ساقط ہو جانا مقتضائے عقد کے خلاف ہے کیونکہ اسی عقدِ رہن کی وجہ سے قرض معرضِ سقوط میں آجاتا ہے اور یہ امر حق کی حفاظت کی ضد ہے۔ (لہٰذا مرہون چیز کے تلف ہونے سے قرض ساقط نہ ہوگا۔

ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ جو مرتہن کے پاس رہن کا گھوڑا تلف ہونے کے بعد آپ نے مرتہن کو مخاطب کرتے

ہوئے فرمایا کہ تیرا حق جاتا رہا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب رہن (تلف ہو جانے کے بعد) مشتبہ ہو جائے تو وہ اسی قرض میں شمار ہوگا جس کے عوض رہن رکھا گیا تھا۔ ائمہ تابعین کے قول کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ مرہون کے تلف ہو جانے کے بعد جب اس کی قیمت میں اشتباہ پیدا ہو جائے (تو اس کا شمار قرض میں ہوگا) نیز اس امر پر صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ کا اجماع ہے کہ مالِ مرہون قابلِ ضمانت ہوتا ہے اگرچہ کیفیتِ ضمان میں ان کا اختلاف تھا (لیکن اس امر پر سب کا اتفاق تھا کہ مرہون قابلِ ضمانت ہوتا ہے) لہٰذا مالِ مرہون کو امانت کے زُمرے میں شمار کرنا اجماع کو توڑنے کے مترادف ہے۔ (صحابہؓ و تابعین کرامؒ کے کیفیتِ ضمان کے بارے میں اختلاف کو علامہ عینیؒ نے مبسوط سے اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک مرہون مضمون بالقیمت ہے۔ ابنِ عمرؓ اور ابنِ مسعودؓ کے نزدیک قیمت و قرض میں سے اقل کے عوض مضمون ہے اور ابنِ عباسؓ کا ارشاد ہے کہ مرہون مضمون بقرض ہے)

مشائخؒ کی توضیح و تفسیر کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "لَا یُغْلَقُ الرَّھْنُ" کا معنی یہ ہے کہ مرہون کلّی طور پر اس کے پاس محبوس ہو کہ وہ مرتہن کی ملکیت میں چلا جائے (ایسا نہیں ہو سکتا) امام کرخیؒ نے سلف سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں مرتہن کے لیے اپنے حق کی وصولی

کا قبضہ ثابت ہے اور وہ صرف اس کے قبضے اور اسے روکنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ رہن کا لفظ حبس دوام کے معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (یعنی ہر انسان اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہے (اس حبس میں دوام موجود ہے) اور شاعر نے کہا ہے

وَفَارَقَتْكَ بِرَهْنٍ لَا فِكَاكَ لَهُ
يَوْمَ الْوَدَاعِ فَأَمْسَى الرَّهْنُ قَدْ غَلِقَا

اے محبوب میں تجھے ایک ایسا رہن دے کر جدا ہوا ہوں کہ اس رہن کا انفکاک نہیں ہو سکتا اور یہ امر الوداع کے روز وقوع پذیر ہوا تھا پس وہ رہن میں دی ہوئی چیز ہمیشہ کے لیے محبوس ہو گئی۔ (اس شعر میں بھی رہن کا لفظ دائمی حبس کے لیے استعمال کیا گیا ہے)۔

احکام شرعیہ الفاظ کی طرف اسی طرح متوجہ اور راجع ہوتے ہیں جیسے کہ یہ الفاظ اپنے لغوی معانی پر دلالت کرتے ہیں (یعنی الفاظ سے لغوی طور پر جن معانی کا اظہار ہوتا ہے احکام کا تعلق انہی معانی سے ہوتا ہے۔ چونکہ رہن کا لفظ لغوی طور پر حبس کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا شرعی طور پر بھی اس سے مراد حبس ہی ہو گا)

دوسری بات یہ ہے کہ رہن وصولِ قرض کی جانب کے لیے استحکام کا باعث ہے بایں طور کہ یہ رہن قرض کی وصولی تک پہنچانے والا ہوا اور یہ

چیز قبضہ اور روک لینے سے ہی ممکن ہو سکتی ہے تاکہ قرض خواہ کو مقروض کی طرف سے انکار قرض کا خدشہ نہ رہے۔ (کیونکہ جب مقروض کی کوئی چیز قرض خواہ کے پاس بطور رہن ہو تو وہ قرض کی وصولی کے سلسلے میں بے فکر ہو جاتا ہے) اس ڈر سے کہ کہیں مرتہن بھی اس کی مرہون چیز سے انکار نہ کر بیٹھے۔ اور اس لیے کہ رہن رکھنے والا مرہون چیز کے انتفاع سے عاجز ہو تو قرض کی ادائیگی میں عجلت سے کام لے کیونکہ اسے مرہون چیز کی خود ضرورت ہوتی ہے یا اپنی چیز کا کسی دوسرے کے پاس ہونا دل گرفتگی اور ملال کا باعث ہوتا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی (کہ مرہون شے امانت نہیں بلکہ وصولی قرض کے استحکام کا ذریعہ اور مضمون ہے) تو ایک طرح سے قرضہ کی وصولی ثابت ہو گئی (کیونکہ مرہون چیز قرض کی مالیت کے لحاظ سے قرض خواہ کے پاس محبوس ہے) تو مال مرہون کے تلف ہو جانے سے یہ وصولی پختہ اور مستحکم ہو گئی اگر صاحب دین دوبارہ قرض کی وصولی کرے (اس تلف شدہ مرہون شے کو امانت قرار دیتے ہوئے) تو یہ امر سود تک پہنچانے والا ہو گا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ مرہون موجود ہو تو قرض کی وصولی سود تک پہنچانے والی نہیں ہوتی کیونکہ مرہون چیز مالک کو واپس کر دینے کی بنا پر سابق حق کی وصولی ختم ہو گئی ہے۔ تو قرض کی وصولی مقرر نہ ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ باقی کی وصولی کے بغیر قبضہ کی ملکیت کا حصول متصور نہیں ہو سکتا (لہٰذا مرہون کی وصولی اور تلف ہونے پر دوبارہ قرض کا وصول سود سے

خالی نہیں ہو سکتا اور یہ صورت اسی وقت ہوتی ہے جب مرہون کو بمنزلہ امانت قرار دیا جائے)

(مولانا محمد مالک صاحب اس کی توضیح میں بیان فرماتے ہیں استیفاء باقی سے مراد مرہون کی وصولی اور قبضہ کے بعد اصل ملک رقبہ کا حصول ہے اور وہ صاحب دین کا اصل قرضہ ہے۔ اس عبارت سے زیر بحث مسئلہ پر ایک اشکال کا جواب دینا مقصد ہے۔ اشکال کی بنیاد سابقہ بیان کردہ یہ استدلال ہے کہ رہن اگر امانت ہو تو اس کے ضائع ہونے کے بعد قرض کی وصولی سود تک نوبت پہنچا دینے والی چیز ہوگی۔ تو اشکال کا حاصل یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ مرتہن اپنا قرض اس طرح وصول کرلے کہ سود کی نوعیت پیدا نہ ہو اور یہ اس طرح کہ مرتہن مرہون کو بطور رقبہ اور اس کی ذات کے وصول کرے نہ کہ بطور قبضہ کے جو اپنے کسی حق کے بالمقابل ہو تو جب مرہون سے ضائع ہوگئی تو وصولِ قبضہ جاتا رہا اور اس کے قرضہ سے اصل ملکِ رقبہ باقی رہ گیا لہٰذا جب وہ اپنا قرض وصول کرے گا تو صرف اپنا حق ہی وصول کرنے والا ہوگا کسی کمی بیشی کے بغیر لہٰذا اس طرح سود کا احتمال نہ رہا۔

صاحب ہدایہ نے اس اشکال کا اس عبارت میں جواب دیا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ملکِ رقبہ بدون قبضہ کے ملک کے ثابت ہو سکے۔ لامحالہ قبضہ کی ملکیت کے ثبوت پر رقبہ کی ملکیت کی وصولی موقوف ہے اس وجہ سے ایسی صورت میں جب بھی مرتہن قرض وصول کرلے گا۔ قرض کی وصولی حصولِ قبضہ کی حیثیت سے مکرر ہوگی اسی کا نام سود ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ

اپنے حق کی وصولی سے عاجز رہے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے ایک مسئلہ جزئیہ میں یہ بیان کیا گیا کہ ایک شخص کے کسی پر ایک ہزار درہم قرض ہیں اور یہ دراہم جیاد یعنی کھوٹ کے بغیر تھے۔ اور مقروض نے ایسے ہزار درہم ادا کیے جن میں قدرے کھوٹ تھا۔ صاحب دین نے وہ درہم خرچ کر دیے ازاں بعد اسے دراہم کے کھوٹ کا علم ہوا تو اس صورت میں دراہم کی عمدگی کا وصف نظر انداز کرنا پڑے گا کیونکہ وصفِ عمدگی کا وصول کرنا نہ تو مستقلاً ناممکن ہے اور نہ تبعاً اس لیے کہ ایسا کرنا موجب سود ہوگا تو اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی دوبارہ قرض کی وصولی سود کی نوعیت سے خالی نہ ہوگی اور یہ سب کچھ صرف اسی صورت میں ہے جبکہ مرہون کا قبضہ ضمان کا قبضہ شمار نہ کیا جائے الغرض اصول موضوع کی رُو سے مرتہن مرہون شے کا قابض صرف قبضۂ ضمان ہی کی صورت میں تصور کیا جا سکتا ہے)۔

اور مرتہن کا مرہون چیز کو وصول کرنا مرہون کی مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اس کی عین ذات کے لحاظ سے نہیں ہوتا۔ مرہون کی عین ذات مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ مرہون غلام کا نفقہ اس کی زندگی میں راہن کے ذمہ ہوتا ہے اور غلام کی موت کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کے مصارف بھی راہن کے ذمے ہوتے ہیں (یہ بھی دو سوالوں کا جواب ہے۔ پہلا سوال یہ ہے آپ کے قول کے مطابق مرتہن مال مرہون پر وصولِ حق کے طور پر قبضہ حاصل کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے

کہ مرہون کے تمام اخراجات مرتہن کے ذمہ ہوں۔ حالانکہ غلام مرہون کی زندگی میں نفقہ اور موت کے بعد کفن و دفن کے اخراجات راہن کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حق کی وصولی کا تعلق مرہون کی مالیت سے ہوتا ہے عینِ ذات سے نہیں ہوتا۔ ذات تو مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتی ہے اس لیے ذات کی زندگی اور موت کے بعد اخراجات کی ذمہ داری راہن پر ہوتی ہے۔ کفایہ۔

دوسرا اعتراض کفایہ میں اس طرح مذکور ہے کہ مالِ مرہون کی حیثیت وصولیِ حق کے طور پر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وصولی حق کی جنس سے نہیں ہے۔ فرض مثلاً سو درہم ہے اور مرہون چیز غلام ہے۔ غلام اور درہم ایک جنس نہیں۔ اور حق کی وہ وصولی قابلِ اعتبار ہوتی ہے جو اس حق کی جنس سے ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مرتہن مرہون کی مالیت کو وصول کرنے والا ہے عینِ ذات کو نہیں۔ تو مرتہن اپنے حق کی جنس ہی کو وصول کرنے والا ہو گا)

اسی طرح رہن کا قبضہ خرید کے قبضے کے قائم مقام نہیں ہوتا جبکہ مرتہن مرہونہ چیز کو خریدے کیونکہ عین مرہون امانت ہے لہٰذا قبضۂ امانت قبضۂ ضمانت کے قائم مقام نہ ہو گا (یعنی عینِ مرہون مرتہن کے پاس چونکہ بطورِ امانت ہوتا ہے لہٰذا مرتہن اگر مرہون چیز خریدے تو اس پر جدید قبضہ شرط ہو گا۔ حتیٰ کہ اگر خرید کے بعد نئے قبضے سے پہلے مالِ مرہون تلف ہو جائے تو مرتہن پر اس کا ثمن واجب نہ ہو گا بلکہ اس کا

ضیاع قرض میں محسوب ہوگا کیونکہ ابھی خرید کا قبضہ نہیں ہوا تھا اور رہن کا قبضہ خرید کے قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ تو ثابت ہوا کہ یہ استیفاء بالمالیّۃ ہے اور مالِ عین کی حیثیت امانت کی ہے)

رہن کے عقد کا تقاضا یہ ہے کہ مرتہن کو ایسا قبضہ حاصل ہو گویا کہ اس کے حق کی وصولی کا قبضہ ہے۔ اور اس سے حفاظتِ قرضہ کا ثبوت متحقق ہوتا ہے اگرچہ ذمہ کا فارغ ہونا اس عقد کی ضروریات و لوازم سے ہے جیسے حوالہ میں ہوتا ہے (یعنی جس طرح حوالہ کی صورت میں قرضہ کی حفاظت کے ساتھ مدیون کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ قرض خواہ اس سے اپنے دین کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا اسی طرح مرتہن کے پاس مرہون شے کے تلف ہونے کی صورت میں بھی ذمہ کا فارغ ہونا عقدِ رہن کے لوازم سے ہے کیونکہ مرتہن کا اس چیز کو بحقِ قرض وصول کرنا گویا اپنے حق کا وصول کرنا تھا تو اس صورت میں مرہون کا تلف ہونا قرض ہی سے محسوب ہوسکتا ہے)۔

مذکورہ اختلاف کا حاصل یہ ہے (یعنی احناف اور شوافع کے درمیان مرہون چیز کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ مرہون شے مضمون ہوتی ہے یا امانت ہوتی ہے۔ یہ اختلاف رہن کے حکم میں اختلاف کی بناء پر ہے۔ ہمارے نزدیک حکم رہن امام شافعیؒ کے نزدیک حکم رہن سے مختلف ہے۔ اسی لیے یہ اختلاف پیدا ہوا) ہمارے نزدیک حکم رہن یہ ہے کہ مالِ مرہون مرتہن کے قبضہ میں بحق قرض محبوس ہو جاتا ہے بایں طور کہ مرہون چیز پر مرتہن کا قبضۂ استیفاء ثابت ہو جاتا ہے (گویا کہ مرتہن نے مرہون چیز کی مالیت

کے مدنظر اپنا قرضہ وصول کر لیا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک رہن کا حکم یہ ہے کہ قرض کا تعلّق مرہون کی ذات اور عین سے ہوتا ہے بایں طور کہ اس مرہون چیز کی ذات سے حق کی وصولی ہو سکتی ہے جب کہ اسے فروخت کر دیا جائے (یعنی اس صورت میں جب کہ مقروض قرض سے صاف انکار کر دے تو قرض خواہ مرہون چیز کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ تو مرہون اس کے پاس بطور امانت ہے نہ کہ قرضہ میں محبوس ہے)

ان مذکورہ بالا دو اصولوں پر متعدد مسائل متفرّع ہوتے ہیں جن میں ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان مختلف فیہ مسائل ہیں ان جملہ مسائل کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کیا ہے۔ من جملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اصول کے مطابق راہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہونہ چیز کو انتفاع کے لیے مرتہن سے واپس لے سکے۔ (مثلاً غلام خدمت کے لیے یا جانور دودھ حاصل کرنے کے لیے) کیونکہ ایسا کرنا مقتضاءِ عقد کے منافی ہے: عقدِ رہن کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرہون چیز مرتہن کے پاس برابر اور لگاتار محبوس رہے (البتہ راہن اسے فروخت کر کے قرض ادا کرنے کے لیے واپس لے سکتا ہے)

امام شافعیؒ کے نزدیک راہن کو مرتہن سے مرہون چیز واپس لینے کی کوئی ممانعت نہیں کیونکہ حضرت شافعیؒ کے اصول کے مطابق اس قسم کی واپسی عقدِ رہن کے مقتضٰی کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک

عقد کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مرہون چیز بیع کے لیے متعین ہو چکی ہے۔ اگر مقروض قرض کی ادائیگی سے انکار کردے تو اسے فروخت کر کے قرض کا روپیہ وصول کیا جائے گا۔ (راہن اسے فروخت نہیں کر سکتا انتفاع حاصل کر سکتا ہے) اور باقی مسائل ان شاء اللہ تعالیٰ اس باب کے ذیلی مسائل میں بیان کیے جائیں گے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ رہن صحیح نہیں ہوتا مگر ایسے قرض کے بالمقابل جو مضمون ہو۔ (یعنی قابل ضمانت قرض کے عوض رہن درست ہوتا ہے) کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ قبضہ استیفاء و وصولی حاصل ہو اور استیفاء وجوب کے بعد ہوتا ہے (یعنی جب حق قرضہ واجب ہو جائے اور مقروض قرض لے لے تو رہن جائز ہو گا)

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ کے ان الفاظ "لا یُصِحُّ الرَّهْنُ اِلَّا بِدَیْنٍ" یعنی رہن صحیح نہیں ہوتا مگر ایسے قرض کے بالمقابل جو مضمون ہو۔ ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ جو رہن ایسے اعیان کے عوض میں ہو جو بذات خود مضمون ہیں۔ چنانچہ ایسے اعیان کے عوض رہن صحیح ہے حالانکہ یہ دین نہیں ہے (جیسے کہ غصب کردہ چیز کے عوض کوئی چیز رہن رکھی جائے تو رہن صحیح ہو گا حالیکہ یہ دین نہیں ہے۔ اور امام قدوریؒ کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رہن صرف دین کی صورت ہی میں صحیح ہوتا ہے)

اس اشکال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اعیان مغصوبہ میں موجب

اصلی تو قیمت ہی ہے۔ اور بعینہ اس مغصوبہ شے کی واپسی تو خلاصی اور چھٹکارے کی ایک صورت ہے۔ اکثر مشائخ کرام نے یہی قول اختیار کیا ہے (مشائخ کا ارشاد ہے کہ مغصوبہ شے کی صورت میں اصل واجب تو یہ ہے کہ اس کی قیمت مالک کو دے اگر اس نے بعینہ وہی چیز واپس دے دی تو اسے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا) اور یہ واجب قیمت دین مضمون ہی ہے۔ (لہٰذا ایسی صورتوں میں بھی رہن دین مضمون کے بالمقابل ہوا اور اعتراض رفع ہو گیا) اسی بناء پر کہ موجب اصلی قیمت ہوتی ہے ان اعیان مضمونہ کی کفالت صحیح ہوتی ہے اگرچہ ان اعیان مضمونہ کی قیمت اس وقت واجب ہوتی ہو جب کہ یہ تلف ہو جائیں لیکن تلف ہونے کے بعد اسی سابقہ قبضہ کی بناء پر قیمت واجب ہوتی ہے (یعنی وجوب قیمت کا سبب وہ ناجائز قبضہ ہے جو تلف ہونے سے پہلے کیا گیا تھا) چونکہ سابق قبضہ کی بناء پر قیمت ہوتی ہے لہٰذا اس کی اسی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جو قبضہ کے روز تھی۔ تو دین واجب کا سبب (یعنی قبضہ) موجود ہونے کے بعد رہن کا وقوع ہوا۔ اس لیے یہ رہن صحیح ہوا جیسا کہ کفالت میں ہوتا ہے (کہ جو اعیان بذات خود مضمون ہوں ان کی کفالت اس لیے صحیح ہوتی ہے کہ ان کی قیمت کے وجوب کا سبب موجود ہے) اور اسی بناء پر کہ سبب وجوب کا موجود ہونا قابل اعتبار ہوتا ہے وہ حوالہ جو کسی عین مضمون کے ساتھ مقید ہو وہ اس کے تلف ہونے سے باطل نہیں ہوتا۔ بخلاف ودیعت کے۔

(مالِ عین کی دو قسمیں ہیں اول مضمون بالذات۔ دوم غیر مضمون بالذات۔
پہلی قسم کی مثال مالِ مغصوب سے دی جاسکتی ہے کہ غاصب پر مالِ
مغصوب کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔ اگر وہ مال اس کے ہاں تلف
ہو جائے تو اس پر تاوان یعنی قیمت واجب ہوگی۔

دوسری قسم کی مثال مالِ امانت ہے اگر امین کے پاس مالِ امانت
تلف ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا کیونکہ مالِ امانت بذاتہٖ مضمون
نہیں ہوتا۔

مذکورہ توضیح کے مدّنظر اگر حوالہ ایسے مالِ عین کا ہو جو بذاتہٖ مضمون
ہے تو اس مخصوص مال کے تلف ہونے سے حوالہ باطل نہ ہوگا کیونکہ اس کا
نائب اور قائم مقام یعنی تاوان موجود ہے۔

اگر حوالہ ایسے مال کا ہو جو بذاتہٖ مضمون نہیں مثلاً مالِ امانت تو ایسے
مال کے تلف ہونے سے حوالہ باطل ہو جائے گا کیونکہ مال کا قائم مقام موجود
نہیں جس سے حوالہ متعلق ہو لہٰذا باطل ہو جائے گا)۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ اور مرہون شے اپنی قیمت اور قرض
میں سے جو کمتر ہو اس کے عوض مضمون ہوتی ہے (مثلاً مرہون کی قیمت
دو صد روپیہ ہے اور قرض ایک سو ہے تو وہ قرض کے عوض مضمون
ہوگی۔ لیکن اگر قرض دو صد ہے اور قیمت ایک صد تو قیمت کے عوض
مضمون ہوگی) پس اگر مالِ مرہون مرتہن کے ہاں تلف ہو جائے درانحالیکہ
مرہون کی قیمت اور رقمِ قرض برابر ہیں تو مرتہن اپنے قرض کو پورے طور پر

وصول کرنے والا ہوگا۔ اور اگر مرہون شے کی قیمت قرض سے زائد ہو تو زائد رقم مرتہن کے پاس امانت شمار ہوگی کیونکہ صرف اس قدر چیز جس سے مرتہن کے حق کی وصولی ہوجائے مضمون ہے اور یہ بمقدار قرض ہے (اس لیے اس قدر سے زائد رقم اس کے پاس بطور امانت ہوگی)

اگر مرہون کی قیمت قرض سے کمتر ہو تو قرض سے قیمت کی مقدار کے مطابق حصہ ساقط ہوجائے گا اور باقی ماندہ رقم کے لیے مرتہن راہن سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ قرض کی وصولی مرہون کی مالیت کے مطابق ہوگی۔

امام زفرؒ نے فرمایا کہ مرہون اپنی قیمت کے لحاظ سے مضمون ہوتا ہے۔ (قرض کی رقم کم ہو یا زیادہ) حتّٰی کہ اگر مرہون مرتہن کے ہاں تلف ہوجائے اور رہن کے دن اس کی قیمت ڈیڑھ ہزار روپے ہو اور قرض کی رقم ایک ہزار روپیہ ہو تو مقروض مرتہن سے پانچ سو روپے کا مطالبہ کرے گا۔ امام زفرؒ کی دلیل حضرت علیؓ کی حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک رہن کی زائد رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے (یعنی اگر مرہون مال کی قیمت قرض سے زائد ہو تو راہن زائد رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر مرہون کی قیمت قرض سے کم ہو تو صاحب دین باقی ماندہ رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے)

دوسری بات یہ ہے کہ قرض سے زائد رقم بھی مرہون ہے کیونکہ وہ قرض کی وجہ سے محبوس ہے لہٰذا وہ قرض کی مقدار کے مطابق مضمون ہوگی۔ (یعنی اگر مرہون شے مرتہن کے ہاں تلف ہوجائے تو راہن قرض سے

زائد رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کے پاس زائد رقم کے لیے امانت کا حکم نہ ہوگا۔

ہمارا مذہب: کہ قرض سے زائد رقم مرتہن کے پاس امانت ہے۔ سیدنا عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مرتہن کا قبضہ تو قبضۂ استیفاء ہے یعنی اپنے حق کے وصول کرنے کا قبضہ۔ لہٰذا یہ قبضہ صرف اسی حد تک ضمان کو واجب کرنے والا ہوگا جس مقدار پر استیفاء یعنی حق کی وصولی کے لیے قبضہ کیا گیا ہے جیسا کہ حقیقۃً وصول کرنے کی صورت میں ہوتا ہے (مثلاً مقروض نے مرتہن کو دو ہزار روپوں کی تھیلی دی۔ قرض ایک ہزار تھا۔ تو ایک ہزار زائد مرتہن کے پاس امانت ہوں گے۔ اگر مذکورہ تھیلی تلف ہو گئی تو مرتہن نے اپنا قرضہ وصول کر لیا اور زائد رقم کا تاوان اس پر نہ ہوگا کیونکہ زائد رقم بطور امانت اس کے پاس تھی) امام زفرؒ کے جواب میں کہا گیا آپ کا یہ کہنا کہ زائد رقم بھی مرہون ہے تو اس کا مرہون ہونا اس ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے کہ زائد رقم کے علاوہ اصل مرہون کا روکنا ممکن نہیں (کیونکہ زائد رقم کو اصل مرہون سے الگ نہیں کیا جا سکتا) اور ضمان کے حق میں کوئی ضرورت درپیش نہیں (لہٰذا زائد رقم کے بارے میں ضامن ہونے کا حکم ثابت نہ ہوگا) اور حضرت علیؓ کی روایت میں باہمی واپسی سے مراد بیع کی حالت میں ہے (یعنی جب مرہون کو فروخت کیا جائے تو اس سے حاصل شدہ قیمت اگر قرض سے زائد ہے تو زائد رقم

راہن کو واپس دی جائے گی اور اگر مقدار قرض سے کم ہے تو راہن کمی کی تلافی کرے) کیونکہ حضرت علیؓ سے دوسری روایت میں ہے کہ مرتہن زائد رقم میں امین کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسئلہ:- امام قدوریؒ نے فرمایا۔ مرتہن کو اختیار ہے کہ راہن سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اگر وہ ادائیگی سے انکار کرے تو مرتہن اس کے قید کیے جانے کی درخواست بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ رہن کے بعد بھی اس کا حق باقی ہے۔ رہن تو صرف حفاظت کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے لہٰذا رہن کی وجہ سے قرض کا مطالبہ ممنوع نہ ہوگا۔ مقروض کا قید کرنا اس کے ظلم و تعدی کی سزا کے طور پر ہے۔ جب قاضی کو معلوم ہو جائے کہ مقروض جان بوجھ کر تاخیری حربے استعمال کر رہا ہے تو قاضی اسے قید کر سکتا ہے۔ کتاب ادب القاضی میں ہم اس پر تفصیلاً بحث کر چکے ہیں۔

مسئلہ: جب مرتہن قرض کا مطالبہ کرے تو اسے کہا جائے گا کہ مال مرہون کو حاضر کرے۔ کیونکہ مرہون کا قبضہ دراصل استیفاء اور حق کی وصولی کا قبضہ ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وصولی کا سابق قبضہ برقرار رکھتے ہوئے اپنے مال (یعنی قرض کی رقم) پر بھی قبضہ حاصل کرے۔ کیونکہ اس صورت میں وصولی مکرر ہو جاتی ہے۔ اس مفروضہ صورت میں جب کہ مالِ مرہون مرتہن کے ہاں تلف ہو جائے۔ کیونکہ تلف ہونے کا امکان موجود ہے کہ مال کسی وقت بھی تلف ہو سکتا ہے لہٰذا اس سے کہا جائے گا کہ جب قرض وصول کرنا چاہتے ہو تو مرہون چیز بھی حاضر کرو۔

تاکہ نہ تو استیفاء میں تکرار آئے اور نہ تلف کا خدشہ باقی رہے)

جب مرتہن نے مرہون شے کو حاضر کر دیا تو مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ تم پہلے قرض کی رقم کی ادائیگی کرو۔ تاکہ مرتہن کا حق متعین ہو جائے جیسے کہ مرہون چیز کے احضار سے راہن کا حق متعین ہو چکا ہے تاکہ دونوں کے درمیان برابری کا تحقق ہو جائے جیساکہ بیع کے معاملہ میں مبیع اور ثمن کے سپرد کرنے میں ہوتا ہے کہ مبیع حاضر کیا جاتا ہے اور پھر پہلے ثمن کی ادائیگی کی جاتی ہے (ادائیگی ثمن کے بعد مبیع مشتری کے حوالے کر دیا جاتا ہے)

مسئلہ:۔ اگر مرتہن نے اس شہر کے علاوہ جس میں عقد واقع کسی دوسرے شہر میں قرض کا مطالبہ کیا تو دیکھا جائے گا اگر مالِ مرہون کوئی ایسی چیز ہے جس پر نقل و حمل کے مصارف نہیں آتے اور نہ اسے اٹھانے میں کوئی مشقت پیش آتی ہے (مثلاً مالِ مرہون سونے کا زیور ہے) تو مسئلے کا یہی حکم ہوگا۔ (کہ پہلے مرہون کے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر قرض کی ادائیگی ہوگی) کیونکہ ان اشیاء کی سپرداری میں جن کے نقل و حمل پر نہ تو مصارف کا بوجھ پڑتا ہے اور نہ مشقت پیش آتی ہے تمام مقامات ایک ہی مقام کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر عقدِ سلم کی صورت میں ایسی چیز کے سپرد کرنے کی جگہ کا بیان کرنا بالاجماع شرط نہیں۔

اگر مالِ مرہون ایسی چیز ہے کہ جس کے نقل و حمل میں مصارف اور مشقت کا سامنا ہو تو وہ اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے اور اسے مرہون کے حاضر کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ مرہون کے حاضر کرنے

کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے حالانکہ مرتہن پر واجب یہ ہے کہ مرہون کو سپرد کردے بایں طور کہ راہن اور مرہون کے درمیان تخلیہ کردے یعنی قبضے سے دست بردار ہو جائے۔ مرہون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اس پر واجب نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں اسے ضرر و مشقت کا سامنا ہے حالانکہ ایسا کرنا اس نے اپنے ذمے لازم نہیں کیا۔

اگر راہن نے کسی عادل شخص کو مرہون چیز کی فروخت کے لیے مقرر کیا اور عادل شخص نے نقد پر مرہون چیز کی فروخت کی یا ادھار پر دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی۔ کیونکہ راہن کا حکم بیع مطلق ہے (نقد کے ساتھ مقید نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عادل شخص اگر ادھار پر فروخت کرے تو مرتہن قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کر سکتا ہے)

اگر مرتہن قرض کا مطالبہ کرے تو مقروض کو مرہون چیز کے حاضر کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ مرہون کے فروخت ہو جانے کے بعد راہن کے بس میں یہ امر نہیں رہا کہ وہ مرہون چیز پیش کرے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی مرہون کے پیش کرنے پر راہن کو مجبور نہیں کیا جا سکتا جبکہ وہ مرتہن کو مرہون چیز کی فروخت کا حکم دے اور مرتہن فروخت کر دے۔ اور ابھی تک ثمن وصول نہیں کیا کیونکہ مال مرہون راہن کے حکم سے فروخت کر دینے کی وجہ سے مالِ عین نہیں رہا بلکہ وہ دین بن چکا ہے۔ تو یہ صورت ایسے ہو گئی کہ راہن نے گویا اس مال کو بحالتِ دین رہن رکھا تھا (مالِ عین کے طور پر نہ تھا۔

اگر مالِ مرہون کو فروخت کرنے کے بعد مرتہن نے ثمن کی وصولی کرلی تو اسے احضارِ ثمن کی تکلیف دی جائے گی کیونکہ بدل مبدل کے قائم مقام ہوتا ہے (یعنی مالِ مرہون مبدل تھا اور ثمن اس کا بدل ہے) البتہ یہ بات مدِّ نظر رہے کہ مرہون کا ثمن وصول کرنے کی ولایت مرتہن کو ہوگی کیونکہ عاقد یعنی عقدِ بیع کرنے والا چونکہ مرتہن ہے اس لیے بیع کے حقوق اسی کی طرف راجع ہوں گے۔ (بعض اوقات قرض کی ادائیگی یکمشت ہوتی ہے اور بعض بذریعہ اقساط ہوتی ہے۔ صاحب ہدایہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں) کہ جس طرح پورا قرض وصول کرنے والے کو مرہون کے احضار کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح قرض کی اس قسط کی ادائیگی کرنے پر بھی، جس کی ادائیگی کا وقت ہوچکا ہے۔ مرتہن کو احضارِ مرہون کا حکم دیا جائے گا اس احتمال کے پیش نظر کہ کہیں مالِ مرہون تلف تو نہیں ہوگیا۔ (ورنہ اس قسط کی ادائیگی بھی لازم نہ ہوگی)

جب مرتہن نے فروخت کردہ مرہون چیز کا ثمن وصول کرلیا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنا قرض وصول کرنے کے لیے ثمن حاضر کرے کیونکہ یہ ثمن ہی مالِ عین کے قائم مقام ہے۔

لیکن یہ حکم (کہ عادل مرہون کو فروخت کرسکتا ہے یا مرتہن بھی راہن کے کہنے پر فروخت کرسکتا ہے اور اسے احضار پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے) اس صورت کے برخلاف ہے کہ جب کسی شخص نے مرہون غلام کو خطاءً قتل کردیا حتیٰ کہ قاتل کی برادری

کے خلاف تین سال کی اقساط میں غلام کی قیمت ادا کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا تو مقروض کو اس وقت تک ادائے قرض پر مجبور نہیں کیا جائے گا جب تک کہ مرتہن کی طرف سے غلام کی پوری قیمت حاضر و موجود نہ کی جائے۔ کیونکہ قیمت ہی مال مرہون کے قائم مقام ہے تو اس کا مکمل طور پر حاضر کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ اصل مرہون کا پورے طور پر حاضر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس صورت میں مال مرہون کے قیمت سے بدل جانے میں راہن کے فعل کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن مذکورہ بالا صورت میں مرہون کا قیمت میں بدل جانا راہن کے فعل سے ہوا تھا۔ اسی بنا پر قتل مرہون اور راہن کی فروخت کی صورتوں میں فرق پیدا ہوگیا (کہ قتل مرہون کی صورت میں کل قیمت کا احضار ضروری ہے اور فروخت کی صورت میں نہیں)

اگر راہن نے مال مرہون کو کسی عادل شخص کی نگرانی میں دے دیا۔ اور اسے کسی دوسرے کے پاس بطور ودیعت رکھنے کی اجازت دے دی۔ عادل نے مرہون کو کسی کے پاس بطور ودیعت رکھ دیا اور مرتہن نے قرض کا مطالبہ پیش کر دیا تو مرتہن کو مرہون کے احضار پر مجبور نہیں کیا جائے گا (مسئلے کی صورت یہ ہے کہ راہن نے پہلے مال مرہون مرتہن کے سپرد کیا۔ پھر باہمی رضامندی سے کسی عادل کی نگرانی میں دے دیا۔ اور عادل نے کسی اور شخص کے پاس اس کو امانت کے طور پر رکھ دیا) کیونکہ مرتہن اس معاملۂ رہن میں خود معتمد علیہ نہ ہوا۔ چنانچہ راہن نے اس

کو دوسرے کی نگرانی میں دیا۔ (اگر مرتہن قابلِ اعتماد ہوتا تو راہن کسی دوسرے کی نگرانی میں نہ دیتا) لہٰذا دریں صورت مرہون کا حاضر کرنا مرتہن کے بس میں نہ رہا۔

اگر عادل نے مرہون چیز کو ایسے شخص کے پاس بطور ودیعت رکھا جو اس کے افرادِ کنبہ کا ایک فرد ہے اور خود کہیں غائب ہوگیا۔ دریں اثناء مرتہن نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور مودَع نے کہا (یعنی جس کے قبضہ میں مرہون ہے) کہ اس مال کو فلاں شخص نے میرے پاس بطور ودلعیت رکھا ہے اور مجھے یہ علم نہیں کہ اس مال کا حقیقی مالک کون ہے تو مقروض کو اداءِ قرض پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں مرہون چیز کا احضار مرتہن کی ذمہ داری نہیں۔ اس لیے کہ رہن کے سلسلے میں اس نے تو کسی چیز پر قبضہ ہی نہیں کیا تھا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی راہن کو قرض کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا جب کہ عادل شخص مرہون چیز کو ساتھ لے کر غائب ہو جائے اور اس کا کچھ پتا نہ ہو کہ وہ کہاں ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے (کہ مرتہن نے رہن کے سلسلے میں کسی چیز پر قبضہ ہی نہیں کیا)۔

اگر وہ شخص جس کے پاس عادل نے مرہون چیز کو بطور ودیعت رکھا اس کے رہن ہونے سے انکار کر دے اور کہے کہ یہ تو میرا اپنا ذاتی مال ہے تو مرتہن راہن سے کسی چیز کی وصولی کے لیے رجوع نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس کا مرہون ہونا ثابت نہ کر دے۔ کیونکہ مودَع

نے جب ودلیعت سے انکار کر دیا تو مال مرہون کا تلف ہو جانا متحقق و ثابت ہو گیا۔ اور مال مرہون کے تلف ہونے کی ذمہ داری مرتہن پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے مرہون کے تلف ہو جانے سے مرتہن کے حق میں دین کی وصولی محقق قرار دی جائے گی لہٰذا مرتہن کو مطالبۂ قرض کا اختیار نہ ہو گا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اگر مالِ مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو تو مرتہن پر یہ واجب نہیں کہ راہن کو مرہون چیز کے فروخت کرنے پر قادر بنائے جب تک کہ راہن اس کا قرض نہ ادا کر دے۔ کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ مرہون چیز کو ادائیگی قرض تک باقاعدہ محبوس اور روک کر رکھا جائے جیسا کہ ہم نے کتاب الرہن کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔

اگر راہن نے قرض کا کچھ حصہ ادا کیا تو بھی مرتہن پورے مرہون کو روک سکتا ہے جب تک کہ راہن باقی ماندہ قرض کی ادائیگی نہ کر دے مبیع کے روک لینے پر قیاس کرتے ہوئے (یعنی اگر مشتری نے ثمن کا کچھ حصہ ادا کیا تو بائع کو اس وقت تک مبیع کے روکنے کا اختیار ہے جب تک کہ مشتری پورے ثمن کی ادائیگی کی تکمیل نہ کر دے)۔

جب راہن نے ادائیگیِ دین کی تکمیل کر دی تو مرتہن کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مرہون کو راہن کے حوالے کر دے کیونکہ مستحق کو اپنا حق وصول ہو چکا ہے لہٰذا مرہون کی سپردداری میں جو امر مانع تھا وہ زائل ہو گیا اب

مرتہن کو روکنے کا حق نہیں رہا۔

اگر مرہون قرض کی ادائیگی کے بعد لیکن راہن کو سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو راہن مرتہن سے اس قدر روپیہ واپس لے لے جو اس نے مرتہن کو ادا کیا تھا۔ کیونکہ مالِ مرہون کے تلف ہونے کی بناء پر مرتہن کو اپنا حق وصول کرنے والا قرار دیا جائے گا اسی سابق قبضہ کی بناء پر۔ (اگر مرتہن وصول شدہ رقم واپس نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) وہ ایک بار اپنا حق وصول کرنے کے بعد دوبارہ وصول کر رہا ہے۔ لہٰذا وصول شدہ رقم کی واپسی ضروری ہوگی۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر وہ زبانی طور پر رہن کا معاملہ فسخ کر دیں۔ تو قرض کی وصولی تک مرتہن کو مرہون کے روکنے کا اختیار ہوگا۔ یا راہن کو قرضہ سے بری کر دے (تو اس صورت میں مرتہن کو روکنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ واضح ہو کہ رہن کا زبانی فسخ کافی نہیں ہوتا بلکہ جب تک مرہون چیز فسخ کے طور پر راہن کو واپس نہ کر دی جائے تو عقدِ رہن باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک قرض اور مرہون پر مرتہن کا قبضہ باقی ہوتا ہے مالِ مرہون مرتہن کی ضمانت میں ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ صورت میں (یعنی زبانی فسخ کے بعد) مرہون مرتہن کے قبضہ میں تلف ہوگیا تو قرض ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس کی مالیت قرض کی مقدار کے برابر ہو۔ کیونکہ رہن باقی تھا (یعنی زبانی فسخ سے عقد رہن فسخ نہیں ہوتا جب تک کہ مرہون راہن کو واپس نہ کر دیا جائے اور مذکورہ صورت

میں مرہون ابھی مرتہن ہی کے قبضہ میں تھا)۔

مسئلہ:۔ اور مرتہن کو یہ جائز نہیں کہ وہ مالِ مرہون سے انتفاع کرے خدمت لینے کے طور پر (اگر مال مرہون غلام ہو) یا سکونت کے طریق پر (اگر مرہون عمارت ہو) یا پہننے کے لحاظ سے (اگر مرہون کپڑا وغیرہ ہو) البتہ اگر مالک اُسے انتفاع کی اجازت دے دے تو جائز ہوگا کیونکہ مرتہن کو حبس اور روکنے کا حق تو ہے لیکن اس سے انتفاع کا حق نہیں۔

اور مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے قرضہ کی وصولی کے لیے مرہون کو از خود فروخت کرے البتہ اگر راہن اسے اختیار دے دے تو وہ فروخت کر سکتا ہے۔ مرتہن کو یہ اختیار بھی نہیں کہ مرہون کو اجرت پہ دے یا عاریتًہ دے۔ کیونکہ جب اسے ذاتی طور پر نفع حاصل کرنے کی ولایت و قدرت حاصل نہیں تو دوسرے کو انتفاع کا اختیار کیسے دے سکتا ہے۔ اگر اس نے اس قسم کا کوئی فعل کر لیا تو شریعت کی نظر میں وہ تعدّی اور زیادتی کرنے والا ہوگا۔ البتہ اس تعدّی کی بناپر عقدِ رہن باطل نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ مرتہن کے لیے جائز ہے کہ وہ مرہون کی حفاظت بذاتِ خود کرے یا بذریعہ اپنی بیوی کے یا بذریعہ اپنے لڑکے کے یا بذریعہ اپنے خادم کے حفاظت کرے جو اس کے عیال میں شامل ہو (خادم سے مراد وہ ملازم ہے جو ماہانہ یا سالانہ معاوضے

پر کام کرتا ہے اور مرتہن کے ساتھ ہی رہتا ہے) مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا بھی اس کے عیال میں ہو (یعنی باپ کی کفالت میں ہو اس کا الگ گھر نہ ہو) اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ عین مرہون اس کی امانت میں ہے اور اس کا حکم ودیعت کی طرح ہوگا (یعنی جس طرح ودیعت میں حفاظت عین کا حکم ہوتا ہے اسی طرح مرہون کے عین کی حفاظت کا حکم ہوگا)

اگر اس نے مرہون کو ایسے شخص کی حفاظت میں دیا جو اس کے عیال میں داخل نہیں یا اس کے پاس بطور ودیعت رکھ دیا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا (یعنی اگر مرہون تلف ہوگا تو مرتہن پر قیمت کی ذمہ داری ہوگی) کیا راہن دوسرے شخص سے ضمان وصول کر سکتا ہے تو یہ اس معروف اختلاف پر محمول ہے جو کتاب الودیعۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مودَع کے مودِع پر ضمانت نہیں ہوتی اور صاحبینؒ کے نزدیک دوسرے شخص کو بھی ضامن بنایا جا سکتا ہے)۔ اس مسئلے کے دلائل پوری تفصیلات کے ساتھ ہم کتاب الودیعۃ میں بیان کر چکے ہیں۔

جب مرتہن مرہون میں کسی قسم کی تعدّی اور زیادتی کرے تو ضمان غصب کی طرح پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ مالِ مرہون کی قرض سے زائد مقدار اس کے پاس بطورِ امانت ہے اور تعدی کی بنا پر امانتوں کا تاوان واجب ہوا کرتا ہے۔

اگر راہن نے مرتہن کے پاس انگشتری بطور رہن رکھی اور مرتہن نے انگوٹھی لے کر چھوٹی انگلی میں ڈال لی۔ تو وہ (ضائع ہوجانے کی صورت میں) ضامن ہوگا۔ کیونکہ انگوٹھی کو استعمال کرکے اس نے تعدی سے کام لیا۔ اس لیے کہ اسے استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ صرف حفاظت کرنے کی اجازت حاصل تھی۔

اس مسئلے میں دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی انگلی برابر ہے (یعنی دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں ڈالے یا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں کوئی فرق نہ ہوگا) کیونکہ انگوٹھی کے استعمال میں لوگوں کی عادت مختلف ہوتی ہے (کوئی دائیں ہاتھ میں پہنتا ہے اور کوئی بائیں ہاتھ میں)

اگر مرتہن نے چھوٹی انگلی کے علاوہ کسی دوسری انگلی میں انگشتری ڈال لی۔ تو وہ قرض کے مقابلے میں بدستور مرہون ہوگی۔ کیونکہ عادۃً کسی اور انگلی میں انگوٹھی نہیں پہنی جاتی (تو ایسا کرنا استعمال میں داخل نہ ہوگا) از قبیل حفاظت ہوگا۔

طیلسانی کپڑوں کا بھی یہی حکم ہے اگر معتاد طریقے سے پہن لیا تو ضامن ہوگا (کیونکہ یہ استعمال کی ایک صورت ہے) اگر اسے کندھے پر رکھ لیا تو ضامن نہ ہوگا (کیونکہ اس طرح کندھے پر رکھنا بغرض حفاظت ہے بطور استعمال نہیں)۔

مسئلہ:۔ اگر راہن نے مرتہن کے پاس دو یا تین تلواریں بطور رہن رکھیں جن کو مرتہن نے لٹکا لیا (یعنی جس طرح تلوار کو بدن پر لٹکایا جاتا

ہے اسی طرح اس نے تینوں تلواروں کو لٹکا لیا) تو تینوں تلواروں کے لٹکانے کی صورت میں ضامن نہ ہوگا (کیونکہ عادۃً اس طرح تین تلواریں نہیں لٹکائی جاتیں) لیکن دو تلواریں لٹکانے کی صورت میں ضامن ہوگا۔ کیونکہ بہادروں کے درمیان یہ عادت پائی جاتی ہے کہ وہ جنگ میں دو دو تلواریں لٹکا لیتے ہیں (تاکہ اگر ایک ناکارہ ہو جائے تو دوسری کو استعمال کیا جا سکے) البتہ تین تلواریں لٹکانے کی عادت نہیں پائی جاتی (لہذا تین تلواروں کا لٹکانا بغرض حفاظت ہوگا اور دو کا لٹکانا بطور استعمال)

اگر مرتہن نے ایک انگوٹھی پر دوسری انگوٹھی پہن لی تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ ایسا شخص ہے جو دو انگشتریاں پہن کر زینت حاصل کرتا ہے تو ضامن ہوگا (کیونکہ دوسری انگوٹھی کا اس طرح پہننا استعمال میں شمار ہوگا اگر دو انگشتریاں پہن کر زینت حاصل کرنے کا عادی نہ ہو تو اسے حفاظت کرنے والا شمار کیا جائے گا لہذا ضامن نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام قدوری ؒ نے فرمایا اس مکان کا کرایہ جس میں مال مرہون بغرض حفاظت رکھا گیا ہے مرتہن کے ذمہ ہوگا (مثلاً راہن نے سو بوری گندم بطور رہن رکھی۔ مرتہن نے گندم کو بحفاظت رکھنے کے لیے ایک مکان کرایہ پر لیا تو کرایہ مرتہن کے ذمہ ہوگا)

اسی طرح محافظ کی اجرت۔ چرواہے کی اجرت اور مرہون غلام کا نفقہ راہن کے ذمے ہوگا (مثلاً راہن نے پھلوں سمیت باغ کو رہن

رکھا۔ جس کی نگرانی کے لیے ایک محافظ مقرر کیا گیا ۔ یا راہن نے بکریوں کا ایک ریوڑ بطور رہن دیا جس نے چرانے کے لیے چرواہا مقرر کیا گیا یا راہن نے ایک غلام بطور رہن دیا تو محافظ اور چرواہے کی اُجرت اور غلام کا نفقہ راہن کے ذمے ہوگا)

اس مسئلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مالِ مرہون کی بقا اور مصلحت کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ راہن کے ذمہ ہوگی ۔ (جیسے ریوڑ کے لیے چرواہا اور غلام کے لیے نفقہ مال مرہون کی بقا اور مصلحت کے لیے ہوتا ہے) خواہ مالِ مرہون میں قرض کی مقدار سے مالیت زیادہ ہو یا زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ عین مرہون راہن کی ملکیت میں باقی ہے۔ اس لیے مصارف کی ذمہ داری اسی کی ہوگی تاکہ اس کا مال باقی رہ سکے) اسی طرح مالِ مرہون کے منافع بھی اسی کے مملوک ہیں لہٰذا مالِ مرہون کی اصلاح اور اس کا باقی رکھنا راہن کے ذمہ ہوگا کیونکہ یہ مصارف اسی کی ملکیت کے ہیں جس طرح ودیعت میں اس قسم کے مصارف کی ذمہ داری مالک پر عائد ہوتی ہے۔

اصلاح و بقاء کے لیے مصارف کی مثال غلام مرہون کے خورد و نوش کے مصارف ہیں اور چرواہے کی اجرت بھی خورد و نوش کے مصارف کے معنی میں داخل ہے کیونکہ یہ چیز حیوان کا چارہ ہے (یعنی چرواہا ہی ریوڑ کی خوراک کا سبب بنتا ہے جو اسے چرانے کے لیے جنگل میں لے جاتا ہے اگر چرواہا نہ ہو تو ریوڑ بھوک سے ہلاک ہو

جائے) اور اسی جنس مصلحت وبقاء سے مرہون غلام کا لباس ہے۔ مرہونہ لونڈی کے بچے کو دودھ پلانے والی کے اخراجات (بھی بذمہ راہن ہیں) اسی طرح مرہون باغ کو سیراب کرنا۔ اس کی نہر کی صفائی کھدائی۔ کھجور کے درختوں کی پیوندکاری۔ اس کے پھل توڑنا اور دیگر مصالح کی نگرانی کرنا اور اس قسم کے جملہ اخراجات راہن کے ذمہ ہوں گے۔

اور ہر وہ چیز جو مرہون کی حفاظت کے لیے ہو یا اسے مرتہن کے قبضہ میں واپس لانے کے لیے ہو یا اس کے کسی جزء کے واپس لانے کے لیے ہو وہ مرتہن کے ذمہ ہوگی جیسے حفاظت کرنے والے کی اجرت (مثلاً جب مرتہن نے مرہون گندم کی بوریوں کے لیے ایک مکان کرایہ پر لیا اور گندم کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کیا تو محافظ کی اجرت مرتہن کے ذمہ ہوگی۔ یا مرہون غلام مرتہن کے ہاں سے بھاگ گیا اور ایک شخص اسے پکڑ کر مرتہن کے پاس لے آیا واپس لانے والے کی اجرت مرتہن کے ذمہ ہوگی یا غلام مرہون کی ایک آنکھ خراب ہوگئی تو اس کے علاج کرانے کی ذمہ داری مرتہن پر عائد ہوگی کیونکہ مال مرہون کا روکے رکھنا مرتہن کا حق ہے اور مال مرہون کی حفاظت کا فریضہ بھی اسی کا ہے۔ اس لیے حفاظت کی اجرت بھی اسی پر واجب ہوگی۔ اسی طرح اس مکان کا کرایہ بھی مرتہن کے ذمہ ہوگا جس میں مال مرہون کو بحفاظت رکھا گیا ہے۔ ظاہر الروایۃ میں یہی حکم مذکور ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جانور کے مکانِ حفاظت کا کرایہ راہن کے ذمے ہوگا جیسے کہ جانور کا نفقہ راہن کے ذمے ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی مرہون جانور کی بقا کے لیے ایک قسم کی سعی اور کوشش ہے (اس لیے کہ جانور کی بقا کے لیے مکان بھی ضروری ہوتا ہے اور مرہون کے مصالح اور بقا کا فریضہ راہن کے ذمہ ہوتا ہے لہٰذا جانور کے لیے مکان کا کرایہ بھی وہی ادا کرے گا)۔

بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے کی مزدوری بھی اسی قسم کے مصارف سے ہے (جو مرتہن کے ذمے ہوتے ہیں لہٰذا) اس مزدوری کی ادائیگی مرتہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ مرتہن ہی کو اپنے قبضۂ استیفاء کے اعادے اور واپسی کی احتیاج ہے جو اس کو پہلے حاصل تھا تاکہ وہ راہن کو واپس کر سکے۔ تو یہ خرچ بھی مرہون کی واپسی کی وجہ ہی سے مرتہن پر واجب ہوگا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مرہون کی قیمت اور قرض کی رقم برابر ہو۔ (تو اس صورت میں غلام کو واپس لانے کی مزدوری بذمہ مرتہن ہوگی) اگر مرہون کی قیمت قرض کی مقدار سے زائد ہو تو اس صورت میں مرتہن پر مزدوری اس مقدار کے مطابق ہوگی جو اس کی ضمان میں ہے اور اس سے زائد مقدار راہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ قرض سے زائد مقدار مرتہن کے قبضہ میں بطور امانت ہے (مثلاً غلام مرہون کی قیمت دو صد روپیہ ہے اور قرض کی رقم ڈیڑھ صد روپیہ ہے۔ غلام کو

واپس لانے والے نے چالیس روپے طلب کیے تو مرتہن کے ذمہ تیس روپے ہوں گے اور باقی دس روپے راہن کے ذمہ ہوں گے کیونکہ غلام کا چوتھائی حصہ مرتہن کے پاس بطور امانت ہے اور غلام کی واپسی تو اس لیے ضروری تھی کہ مرتہن کا قبضۂ استیفاء عود کر آئے (جو مرتہن کو غلام کے مرہون ہونے کی صورت میں حاصل ہوا تھا) اور زائد مقدار میں مرتہن کا یہ قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے کیونکہ زائد مقدار میں مرتہن مودَع کی طرح ہے لہٰذا زائد مقدار کا خرچ بھی مالک کے ذمہ ہوگا۔ (یعنی قرض سے زائد مقدار میں مرتہن کا قبضہ بطور امانت ہے اور یہ قبضہ بطور نائب ہوتا ہے گویا زائد مقدار میں مرتہن نے راہن کے نائب کے طور پر قبضہ کیا اور یہ اس لحاظ سے مالک کا قبضہ ہوا جیسے ودیعت میں مودَع کا قبضہ بمنزلۂ قبضۂ مالک ہوتا ہے لہٰذا اس زائد مقدار کی مزدوری مالک کے ذمہ ہوگی) یہ حکم اجرت مکان کی صورت کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیا ہے کہ مکان کی پوری اجرت مرتہن کے ذمہ واجب ہوتی ہے۔ خواہ مال مرہون کی مالیت مقدار قرض سے زائد ہی ہو کیونکہ مکان کی اجرت کے وجوب کا سبب مال مرہون کا محبوس کرنا اور روکنا ہے۔ اور پورے مال مرہون میں روکنے کا حق مرتہن کے لیے ثابت ہے (کیونکہ مقدار زائد کا علیحدہ کرنا ممکن نہیں اس لیے وہ پورے مرہون غلام یا جانور کو روکے گا اور جس کی بناء پر جو حفاظتی خرچ آئے گا وہ مرتہن ہی ادا

کرے گا) جہاں تک غلام کے واپس لانے کی مزدوری کا تعلق ہے وہ صرف ضمان کی جہت سے لازم آتی ہے تو غلام کا جس قدر حصّہ مضمون ہے اسی قدر مزدوری مرتہن پر واجب ہو گی (باقی بذمّہ راہن ہو گی)۔

مسئلہ:۔ زخم کی مرہم پٹّی۔ پھوڑے پھنسی کا علاج۔ امراض کا معالجہ اور غلام کے کسی مجرمانہ فعل کا فدیہ مقدارِ مضمون اور مقدارِ امانت پر تقسیم ہو گا (مثلاً اگر غلام کی قیمت قرض سے دوگنا ہے تو مذکورہ اخراجات مرتہن اور راہن میں نصف نصف تقسیم ہوں گے) مرہون زمین کا خراج صرف راہن پر واجب ہو گا کیونکہ خراج کا تعلق ملکیت کے مصارف سے ہے اور زمین سے حاصل شدہ پیداوار کا عُشر ادا کرنا مرتہن کے حق سے مقدّم ہے کیونکہ عُشر کا تعلق زمین کی عین پیداوار سے ہے اور عُشر ادا کرنے کے بعد باقی حصّہ یعنی ۹/۱۰ میں رہن باطل نہ ہو گا کیونکہ عُشر کا وجوب ملکِ راہن کے منافی نہیں بخلاف استحقاق کے (یعنی زمین سے حاصل شدہ پیداوار کا دسواں حصہ بطور عُشر ادا کیا جائے گا اور باقی ۹/۱۰ حصے مرہون ہوں گے اور یہ ملک راہن ہیں۔ عُشر واجب ہونے سے اس کی ملکیت میں خلل نہیں آتا لیکن اگر پیداوار کے غیر معیّن دسویں حصے میں کسی دوسرے کا استحقاق ثابت ہو جائے تو رہن باطل ہو جاتا ہے)

مسئلہ:۔ جو خرچ راہن اور مرتہن میں سے کسی ایک نے ادا کیا جو

کہ اس کے ساتھی پر واجب تھا تو وہ اس خرچ کی ادائیگی میں تبرّع اور احسان کرنے والا شمار ہوگا۔ اگر راہن یا مرتہن نے قاضی کے حکم سے وہ خرچ ادا کیا جو دوسرے ساتھی پر واجب تھا تو وہ اپنے ساتھی سے اس خرچ کے لیے رجوع کرے گا۔ جیسے کہ گویا اس کو ساتھی نے ہی خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہوتی ہے۔ (تو قاضی کا حکم دینا اس کے ساتھی کے حکم دینے کی طرح ہوگا)۔ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ وہ ساتھی سے رجوع نہیں کرے گا جب اس کا ساتھی وہاں حاضر و موجود ہو۔ اگرچہ یہ ادائیگی قاضی کے حکم کے تحت کی جائے۔ (مثلاً غلام کے نفقہ کا خرچ مرتہن نے قاضی کے حکم سے ادا کر دیا اور راہن بھی کہیں سفر وغیرہ کے سلسلے میں غیر حاضر نہ تھا۔ یا قاضی نے مکان حفاظت کا کرایہ راہن سے دلوا دیا حالانکہ مرتہن بھی موجود تھا تو امامؒ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں ایک شخص اپنے دوسرے ساتھی سے واپسی کا مطالبہ نہ کرے گا۔ ظاہر الروایۃ میں مذکور ہے کہ اگر قاضی کے حکم سے ادائیگی کی جائے تو دوسرے ساتھی سے رجوع کا اختیار ہوتا ہے)۔

امام ابویوسفؒ نے فرمایا (یہ نوادر کی روایت ہے) کہ ان میں سے جو بھی اپنے ساتھی پر واجب خرچ کی ادائیگی کرے گا اسے دونوں صورتوں میں واپسی کا حق ہوگا (خواہ حکم قاضی سے ہو یا بدون حکم قاضی اور خواہ اس کا ساتھی موجود ہو یا غیر حاضر ہو) یہ مسئلہ، مسئلۂ حجر کی ایک

فرع ہے۔ (امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ ایک عاقل و بالغ شخص کو تصرفات سے روک کر محجور بنا دے۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک قاضی کو ایسے شخص کے حجر کا اختیار ہوتا ہے تو اس اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہوا کہ مثلاً نفقہ کے اخراجات راہن پر واجب تھے۔ اس نے ان اخراجات کی ادائیگی نہیں کی اور قاضی نے مرتہن کو ادائیگی کا حکم دیا تو قاضی کا یہ حکم راہن کو محجور کرنا ہوگا۔ اور امامؒ کے نزدیک قاضی کو ایسے حجر کا اختیار نہیں۔ لہٰذا قاضی کے حکم سے مرتہن کا ادا کرنا تبرّع اور احسان کے درجہ میں ہوگا۔ لیکن صاحبینؒ چونکہ ایسے حجر کے جواز کے قائل ہیں۔ لہٰذا مرتہن کے بحکم قاضی ادا کرنے پر بھی حقِ رجوع ساقط نہ ہوگا)۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يَجُوزُ ارْتِهَانُهُ وَالارْتِهَانُ بِهٖ وَمَا لَا يَجُوزُ

(ان اشیاء کا بیان جن کا رہن رکھنا یا جن کے عوض رہن جائز ہے یا جائز نہیں ہے)

مسئلہ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ مشاع یعنی مشترک چیز کا رہن جائز نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ جواز کے قائل ہیں (یعنی اگر زمین یا مکان مشترک ہو جس کی تقسیم نہیں کی گئی تو اپنا حصہ رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس کا حصہ غیر معیّن ہے اور قبضہ کرنے کے لیے حصّہ کا معیّن ہونا ضروری ہے) ہمارے نزدیک عدم جواز کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ رہن کے حکم پر مبنی ہے۔ رہن کا حکم یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رہن استیفاء یعنی اپنے حق کی وصولی کا قبضہ ہے اور یہ قبضہ وصولی اس مرہون میں متصوّر نہیں ہو سکتا کہ جس چیز پر عقد رہن واقع ہوا اور مشاع یعنی مشترک ہو۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مرہون مشترک اس حکم رہن کو قبول کرتا ہے جو حضرت شافعیؒ کے نزدیک رہن کا حکم ہے اور وہ حکم مرہون کا بیع کے لیے متعیّن ہونا ہے۔

مشترک چیز کے رہن کے عدم جواز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رہن کا تقاضا مرہون شے کا مرتہن کے پاس دائمی طور پر محبوس ہونا ہے (جب تک کہ راہن قرض کی ادائیگی سے سبکدوش نہ ہو) کیونکہ رہن صرف اسی صورت میں مشروع ہے کہ وہ مقبوض ہو یا تو نص قرآنی (فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ) کے پیش نظر یا مقصود رہن کے مد نظر۔ اور یہ مقصد اپنے حق کا استحکام اور پختگی ہے جس طرح کہ ہم نے بیان کیا ہے (یعنی مقبوض مرہون کی بناپر مرتہن کو اپنے قرض کے سلسلے میں استحکام کا احساس ہوتا ہے کہ مقروض قرض سے انکار نہیں کر سکتا۔ نیز وہ مرہون کو واگزار کرانے کے لیے قرض کی ادائیگی میں عجلت سے کام لے گا)۔ اور ان میں سے ہر امر (یعنی نصّ قرآنی اور رہن کا مقصد) کا تعلّق دوام سے ہے۔ (کہ جب تک مقروض قرض کی ادائیگی نہ کرے مالِ مرہون مرتہن کے پاس رکا رہے) اور مالِ مرہون کا دوام حبس سوائے اس صورت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کہ مرتہن کو برابر روکنے کا استحقاق حاصل ہو۔

اگر مشترک چیز میں رہن کو جائز قرار دیا جائے تو دوام حبس کی صورت باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ مالِ مشترک سے انتفاع کے لیے تو باری مقرر کی جاتی ہے (کہ ایک عرصہ ایک شریک نفع اٹھائے اور اتنی ہی مدت تک دوسرا شریک) تو رہن مشاع کی یہ صورت ایسے ہو گی کہ جیسے راہن کہے کہ یہ چیز تمھارے پاس ایک روز رہن

ہو گی اور ایک روز رہن نہ ہو گی (جس طرح یہ جائز نہیں اسی طرح مشترک شے کا رہن بھی جائز نہیں کیونکہ اس کا نتیجہ تو یہ ہو گا کہ راہن کی باری کے وقت وہ چیز مرتہن کے قبضہ میں ہو اور جب شریک کی باری ہو تو مرتہن کے قبضہ سے نکل جائے)

اسی چیز کے پیشِ نظر اس مشترک چیز کا رہن جائز نہ ہو گا جو قابلِ تقسیم ہو یا نہ ہو (کیونکہ مرتہن تقسیم کرانے کا استحقاق نہیں رکھتا) بخلاف ہبہ کے کہ ہبہ ایسے مشترک مال میں جائز ہوتا ہے جو تقسیم کے قابل نہ ہو کیونکہ ہبہ مشاع سے جو امر مانع ہے وہ بلا وجہ واہب پر تقسیم کے مصارف کا بوجھ ڈالنا ہے اور یہ مانع صرف ایسی مشترک چیز کے ہبہ میں پیش آتا ہے جو قابلِ تقسیم ہو (مگر یہ ہبہ کا مقتضا نہیں بلکہ شرکت کے لوازمات میں سے ہے)

حکم ہبہ تو یہ ہے کہ موہوب لہٗ کو ملکیت حاصل ہو جائے اور مشترک موہوب میں ثبوتِ ملکیت کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن زیرِ بحث مسئلہ میں رہن کا حکم استیفاء یعنی وصولِ حق کا قبضہ ہے اور مرہون مشترک اس حکم کو قبول نہیں کرتا اگرچہ وہ تقسیم کے قابل نہ ہو۔

مشترک چیز کو اپنے شریک کے پاس بھی بطور رہن رکھنا جائز نہیں (خواہ وہ قابلِ قسمت ہو یا نہ ہو) کیونکہ وجہ اول کی بناء پر مرہون حکم رہن کو قبول نہیں کرتا (کیونکہ حکم رہن قبضۂ استیفاء ہے اور مشترک چیز میں یہ ممکن نہیں) اور دوسری وجہ (کہ موجب رہن حبس دوام ہے)

کی بنا پر اس لیے جائز نہیں کہ شریک اس مشترک مرہون مکان میں ایک روز تو حقِ ملکیت کی بناء پر سکونت اختیار کرے گا اور دوسرے روز بحکم رہن رہائش پذیر ہوگا۔ تو یہ صورت ایسے ہی ہوگی کہ راہن نے ایک روز کے لیے مکان رہن رکھا لیکن دوسرے روز کے لیے نہ رکھا (اور اس صورت میں دوام حبس کا پہلو معدوم ہو جاتا ہے)

وہ شرکت جو کہ رہن کے بعد طاری ہو مبسوط کی ظاہر الروایات کے مطابق بقاءِ رہن سے مانع ہوگی (یعنی مالِ مرہون عقدِ رہن کے وقت غیر مشترک تھا۔ اس مال کو مرتہن کے قبضہ میں دے دیا گیا۔ ازاں بعد کسی وجہ سے اس مال میں شرکت واقع ہوگئی تو اس کا بطور مرہون برقرار رہنا درست نہ ہوگا)

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ بعد میں حادث ہونے والی شرکت رہن سے مانع نہیں ہوتی کیونکہ کسی حکم کی بقاء اس کے ابتداء کی بہ نسبت آسان ہوتی ہے تو یہ ہبہ کے مشابہ ہوگا (یعنی اگر مکانِ مشترک میں ابتداءً اپنا حصہ ہبہ کرے تو جائز نہیں۔ لیکن موہوب مکان میں اگر بعد میں شرکت ثابت ہو تو اس سے ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اسی طرح بعد میں حادث ہونے والی شرکت بھی رہن سے مانع نہ ہوگی)۔

مبسوط کی ظاھر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ مالِ مشترک میں رہن کا ممتنع ہونا محل نہ ہونے کی بناء پر ہے۔ یا ایسی چیز کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ جو محل کی طرف راجع ہوتی ہے (محل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے

کہ مشترک مال رہن کا محل نہیں ہوتا اور محل کی طرف راجع چیز سے مراد دوام حبس ہے۔ شرکت حادث ہونے کے بعد دوام حبس والا پہلو باقی نہیں رہتا) اس مسئلے میں ابتدا و بقا دونوں کی مساوی حیثیت ہے۔ جیسے کہ محرمیت معاملۂ نکاح میں (یعنی ابتداءً جس محرم سے نکاح جائز نہیں ہوتا اسی طرح بعد میں طاری ہونے والی محرمیت سے بھی نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک عورت سے نکاح کر لیا اور کچھ عرصہ بعد پتا چلا کہ اس مرد نے عورت کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ تو رضاعت کی بنا پر نکاح باطل ہوگا۔ مثال کا ثمرہ یہ ہے کہ جس طرح باب نکاح میں محرم ہونا ابتدا اور بقا کے لحاظ سے برابر ہے۔ اسی طرح معاملہ رہن میں مانع کے پیش آنے کے بعد عقد راہن باطل ہوگا جیسا کہ ابتداءً مانع کی موجودگی میں درست نہیں) بخلاف ہبہ کی صورت کے (کہ اس کے ابتداء و بقا میں فرق ہوتا ہے) کیونکہ مشترک مال ہبہ کے حکم کو قبول کرتا ہے اور وہ ملک ہے۔ (یعنی وہ چیز موہوب لہٗ کی ملکیت میں آجاتی ہے) ابتداءِ ہبہ میں قبضہ کا اعتبار اس لیے ہے کہ واہب پر تقسیم کے مصارف کا بوجھ نہ پڑے جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ اس حالت بقاء میں قبضہ کے اعتبار کی کوئی ضرورت نہیں (کیونکہ اگر ہبہ کے صحیح ہونے کے بعد تقسیم کا خرچ لازم آیا تو یہ موہوب لہٗ کی ذمہ داری ہو گی) اسی بنا پر (یعنی چونکہ حکم ہبہ شرکت کی صورت میں بھی ثابت ہو جاتا ہے) بعض حصہ موہوب

میں رجوع کر لینا درست ہوتا ہے لیکن مرہون کے بعض حصے میں عقد رہن کا فسخ کرنا جائز نہیں ہوتا (کیونکہ جو حصہ باقی رہتا ہے وہ مشاع ہے اور حکم رہن کے قابل نہیں رہا)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اور جائز نہیں رہن کرنا ان پھلوں کا جو کھجور کے درختوں پر ہوں، درختوں کو رہن کرنے کے بغیر۔ اور نہ فصل کا جو زمین میں لگی ہے بدون زمین کے اور نہ درختوں کا جو زمین میں لگے ہیں بغیر زمین کے۔ ان مذکورہ صورتوں میں سے کسی صورت کا رہن بھی جائز نہ ہوگا) کیونکہ ان صورتوں میں مرہون شئے پیدائشی طور پر ایسی چیز کے ساتھ متّصل ہے جو رہن میں داخل نہیں۔ تو معنوی طور پر ان اشیاء کا رہن بھی مال مشترک کے رہن جیسا ہوگا۔

اسی طرح اگر زمین کو درختوں کے بغیر رہن کیا یا زمین کو فصل کے بغیر رہن کیا یا درختوں کو پھلوں کے بغیر رہن کیا حالیکہ درخت زمین میں لگے ہوئے ہیں۔ زمین میں فصل اُگی ہوئی ہے اور درختوں پر پھل لگے ہوئے ہیں) تو یہ رہن بھی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اتّصال دونوں طرفوں سے قائم ہے۔ (یعنی جس طرح پھلوں کا درختوں سے اتصال ہوتا ہے اسی طرح درختوں کا پھلوں سے بھی اتصال ہوتا ہے ایسے ہی زمین اور فصل کا اتصال ہے)۔

فاعدہ کلّیہ یہ ثابت ہوا کہ اگر مرہون شئے کا اتّصال کسی ایسی چیز کے ساتھ ہے جو مرہون نہیں ہے تو رہن جائز نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت

میں صرف مرہون شے پر قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔
امام ابوحنیفہؒ سے بروایت حسنؒ بن زیاد منقول ہے کہ درختوں کے بغیر زمین کا رہن جائز ہے۔ کیونکہ درخت زمین پر اگنے والی چیز کا نام ہے تو درختوں کا استثناء درختوں کی جگہ کے سمیت ہوگا۔ (یعنی اگر درخت اور ساتھ ہی ان کے اُگنے کی جگہ کو رہن سے مستثنیٰ کرلیا تو جائز ہے) بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی شخص عمارت کو مستثنیٰ کرتے ہوئے احاطہ دار کو رہن کرے تو درست نہ ہوگا کیونکہ عمارت نام ہے اس چیز کا جو زمین پر بنی ہوئی ہے۔ (کیونکہ عمارت تو زمین پر رکھی ہوئی دیواروں اور چھت کو کہا جاتا ہے اس لیے عمارت کے استثناء سے زمین کا استثناء نہیں ہوسکتا) تو وہ پوری زمین کا رہن کرنے والا ہوگا حالیکہ وہ راہن کی ملکیت یعنی عمارت کے ساتھ مشغول ہے۔ (اس لیے عمارت کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا)۔
مسئلہ : اگر اس نے کھجور کے درختوں کو ان کے اُگنے کی جگہ کے ساتھ ہی رہن کیا تو جائز ہوگا (ظاہر الروایۃ کے مطابق بھی) کیونکہ یہ مجاورت ہے اور مجاورت صحتِ رہن سے مانع نہیں ہوتی۔ (یعنی اس صورت سے تو صرف یہ لازم آتا ہے کہ درخت مع جگہوں کے راہن کی زمین کے مجاور ہیں اور اس میں کوئی نقص نہیں۔ جیسے راہن کے دو مکان باہم متصل ہوں تو ان میں سے ایک مکان کے رہن کرنے میں کوئی حرج نہیں)

اگر ان درختوں پر پھل لگے ہوں تو وہ پھل بھی رہن میں داخل ہوں گے کیونکہ پھل اتصال کی بناء پر درختوں کے تابع ہو کر رہن میں داخل ہو جائیں گے تاکہ عقدِ رہن کو صحیح کیا جا سکے۔ بخلاف پھل دار درخت کی بیع کے کیونکہ درختوں کی بیع پھلوں کے بغیر بھی جائز ہے اور پھلوں کو ذکر کیے بغیر مبیع میں داخل کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں (لیکن رہن میں تصحیح عقد کے لیے پھلوں کے داخل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے) بخلاف اس مال و متاع کے جو گھر میں رکھا ہوا ہو۔ کہ دار کے رہن کی صورت میں سامان رہن میں داخل نہ ہوگا۔ جب تک کہ صراحۃً اس کا ذکر نہ کیا جائے کیونکہ سامان کسی وجہ سے بھی دار کے تابع نہیں

اسی طرح زمین کے رہن کرنے میں فصل اور سبزی بھی (جو زمین میں لگی ہوئی ہے) رہن میں داخل ہو جائے گی۔ لیکن زمین کی بیع کرنے میں فصل اور سبزی داخل نہ ہو گی۔ جیسا کہ ہم نے پھلوں کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ (کہ درخت کی بیع میں پھل داخل نہیں ہوتے)۔

مسئلہ :- زمین، احاطہ، مکان اور بستی کے رہن کی صورت میں زمین پر لگے ہوئے درخت اور عمارت بھی عقدِ رہن میں داخل ہو گی۔ جیسا کہ ہم نے مذکورہ سطور میں بیان کیا ہے (کہ مکان اور پھل اتصال کی وجہ سے زمین اور درخت کے تابع ہیں)۔

اگر ایک شخص نے احاطہ مکان کو مع ساز و سامان جو اس میں موجود ہے رہن رکھا تو جائز ہو گا۔ (یعنی جب راہن مکان کے ساتھ

ساتھ سامان کا بھی صراحۃً ذکر کر دے تو سامان وغیرہ بھی رہن میں داخل ہوگا) اگر مرہون پر کسی دوسرے کا حق ثابت ہوگیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر باقی حصے کی مالیت اس قدر ہے کہ صرف اس کے عوض ابتداءً رہن جائز تھا تو باقی ماندہ حصّے کے مطابق رہن صحیح ہوگا۔ اگر اس کی مالیت اس قدر نہ ہو تو پورا رہن باطل ہوجائے گا اور یہ صورت اس طرح ہو جائے گی کہ عقدِ رہن صرف اسی باقی حصے پر وارد ہوا تھا۔

اگر راہن خود یا اس کا سامان مکان مرہون میں موجود ہو تو یہ امر سپرد کرنے سے مانع ہوتا ہے (کیونکہ مرہون فارغ نہیں کہ اس پر قبضہ کیا جا سکے) اس طرح مرہون میں راہن کے سامان کا موجود ہونا سپردگی سے مانع ہے۔

اور مرہون جانور پر راہن کا بوجھ لدا ہوا ہونا بھی سپردگی اور تسلیم سے مانع ہے جب تک کہ راہن بوجھ کو اتار نہ لے کیونکہ جانور باربرداری میں مشغول ہے۔ (یعنی جانور قبضہ کے لیے فارغ نہیں اور فارغ ہونا مرہون کی شرط ہے) بخلاف اس صورت کے جبکہ صرف لدے ہوئے سامان کو رہن کرنے کے ساتھ جانور کو رہن نہ کرے جب جانور مرتہن کے سپرد کر دے تو رہن درست ہوگا (کیونکہ سامان مشغول نہیں بلکہ فارغ ہے۔ اس لیے اگر چہ ابھی مرتہن نے سامان اتارا نہیں لیکن جب کہ جانور ہی اس کے سپرد کر دیا گیا ہے

تو وہ جس وقت چاہے اتار سکتا ہے لہٰذا رہن مکمل ہوگا) کیونکہ یہ جانور مالِ مرہون کے ساتھ مشغول ہے (اس لیے کہ جانور تو غیر مرہون ہے وہ تو صرف مرہون مال کی بناپر مشغول ہے) اور یہ صورت ایسے ہی ہوگی جیسے کہ کوئی اس سامان کو رہن رکھے جو کسی مکان یا ظرف میں پڑا ہے لیکن مکان یا ظرف کو رہن نہیں کیا گیا (تو سامان کا رہن مکان یا ظرف سے نکالنے سے پہلے صحیح ہوگا) بخلاف اس کے اگر چوپائے پر رکھی ہوئی زین یا اس کے منہ میں ڈلے ہوئے لگام کو رہن کیا اور زین و لگام سمیت چوپایہ مرتہن کے سپرد کر دیا تو اس وقت تک رہن درست نہ ہوگا جب تک کہ زین یا لگام اتار کر اس کے سپرد نہ کردے کیونکہ یہ چیز سواری کے توابع سے ہے۔ جیسا کہ پھل اپنے درختوں کے تابع ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ مشائخ نے فرمایا کہ اگر ایسا گھوڑا رہن کرے جس پر زین پڑی ہو اور ساتھ ہی لگام بھی تو صراحت کے بغیر بھی زین اور لگام گھوڑے کے رہن میں بطور تابع داخل ہوں گے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ امانتوں کے عوض رہن صحیح نہیں ہوتا۔ جیسے ودیعتیں (اگر کوئی شخص سامانِ ودیعت کے عوض رہن لے تو صحیح نہ ہوگا) عاریت پر لی ہوئی چیزیں (مثلاً کوئی شخص کسی شخص کو عاریت پر کوئی چیز دے اور مستعیر اس کو بطور رہن رکھنا چاہے تو درست نہ ہوگا) مضاربتیں (مثلاً ا ب کو ایک ہزار روپیہ مضاربت پر دے اور اس کے عوض کوئی شے رہن رکھے۔ تو صحیح نہ ہوگا) اور نہ مالِ شرکت

کے عوض رہن صحیح ہے۔ (مثلاً شریکین سے ایک شریک اپنے مال کے عوض دوسرے سے کوئی چیز رہن لے تو صحیح نہیں) کیونکہ رہن کے سلسلے میں جو قبضہ ہوتا ہے وہ ضمانتی قبضہ ہوتا ہے اور ضمان کا ثابت ہوتا ضروری ہوتا ہے تاکہ قبضہ مذکور ضمانتی واقع ہو۔ اور اس قبضۂ مرہون سے استیفاء یعنی وصولِ قرضہ متحقق ہو۔ (لیکن امانات یا مضاربت یا مالِ شرکت میں ضمانت کی یہ بات نہیں ہوتی) اسی طرح ان اعیان یعنی اشیاء کے عوض بھی رہن درست نہیں جو بذاتِ خود مضمون نہ ہوں بلکہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے مضمون ہوں۔ جیسے کہ مبیع بائع کے قبضہ میں (کہ وہ ثمن کے عوض مضمون ہوتا ہے بذاتِ خود مضمون نہیں) کیونکہ مبیع کی ضمان واجب نہیں، حتیٰ کہ اگر بائع کے قبضہ میں مبیع تلف ہو جائے تو بائع ضامن نہ ہوگا۔ البتہ ثمن بھی ساقط ہو جائے گا اور وہ بائع کا حق ہے۔ تو مبیع کے عوض رہن لینا درست نہیں۔

وہ اشیاء جو اپنی ذات کے لحاظ سے مضمون ہوتی ہیں (یعنی ان کی واپسی واجب ہوتی ہے اگر تلف ہو جائیں تو ضمانت واجب ہوتی ہے) اور ہلاکت کی صورت میں ان کی مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے۔ جیسے مغصوب چیز۔ بدلِ خُلع۔ مہر اور قتلِ عمد سے بدلِ صلح۔ ان اعیان کے عوض رہن صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی ضمان ثابت و متقرر ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک چیز اگر بحالہٖ موجود ہو تو اس کا سپرد کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر تلف ہو جائے تو اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔

تو ان اشیاء کے مقابلے میں رہن ایسی چیز کے بالمقابل واقع ہوتا ہے جو مضمون ہے اس لیے رہن صحیح ہو گا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا۔ رہن بالدرک باطل ہے اور کفالت بالدرک جائز ہے (رہن بالدرک کی توضیح یہ ہے کہ بائع مشتری کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے۔ مشتری قیمت ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لے۔ لیکن مشتری بائع سے کہے مجھے خدشہ ہے کہ اس مبیع کا کوئی دوسرا شخص حق دار نکل آئے اور مجھے مبیع سے ہاتھ اٹھانا پڑے۔ اس لیے تم مبیع کے ثمن کے مطابق کوئی چیز میرے پاس رہن رکھ دو۔ اگر کوئی مستحق نہ ہوا تو مرہون تجھے واپس کر دوں گا۔ یہ رہن بالدرک کہلاتا ہے اور ایسا رہن باطل ہے۔ کیونکہ شاید کوئی مستحق ہو یا نہ ہو تو خواہ مخواہ مرہون کو حبس کرنا جائز نہیں۔ عنایہ شرح ہدایہ۔

کفالت بالدرک یہ ہے۔ مثلاً ا نے ب سے کوئی چیز خریدی۔ ج نے کہا کہ میں ب کی طرف سے تیرے لیے کفیل بالدرک ہوں۔ اگر مبیع کا کوئی مستحق نکل آیا تو میں ثمن کی کفالت کرتا ہوں۔ اسے کفالت بالدرک کہا جاتا ہے اور یہ جائز ہے۔

صاحبؒ ہدایہ نے دونوں میں عدم جواز اور جواز کا فرق اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ رہن استیفاءِ حق کے لیے ہوتا ہے اور جب تک کسی چیز یعنی استحقاق وغیرہ کا ثبوت ہی نہ ہو محتمل چیز کے عوض رہن بے معنی چیز ہے اور کفالت کا مقصد التزام مطالبہ ہے اور

مستقبل کے پیش نظر افعال کے التزام میں کوئی قباحت نہیں اس لیے
کفالت بالدرک کو صحیح قرار دیا گیا) رہن بالدرک اور کفالت بالدرک
میں فرق یہ ہے کہ رہن استیفاء اور وصولی حق کے لیے ہوتا ہے۔
اور جب تک کوئی چیز یا حق واجب ہی نہ ہو تو استیفاء اور وصولی حق
کے کیا معنی؟ نیز تملیک کو زمانۂ مستقبل کی طرف نسبت کرنا بھی جائز
نہیں۔ (مثلاً اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھے کہ اگر
آئندہ زمانے میں تیرا کوئی حق یا قرض ثابت ہو تو یہ اس کے عوض
رہن ہے۔ ایسا رہن باطل ہے) لیکن جہاں تک کفالت کا تعلق ہے
تو وہ مطالبے کے التزام کے لیے ہے۔ (یعنی میں اپنے اوپر لازم کرتا
ہوں کہ تیرا مطالبہ برداشت کروں گا۔ کما مر فی الکفالۃ) اور افعال
کا مطالبہ زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف کرتے ہوئے صحیح ہوتا ہے جیسا
کہ روزے اور نماز میں (کوئی شخص کہے۔ اگر میری فلاں مراد پوری ہوگئی
تو میں اتنے دنوں کے روزے رکھوں گا یا اتنی رکعت نفل ادا کروں گا
تو یہ نذر صحیح ہوگی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف
کرتے ہوئے افعال کا التزام درست ہوتا۔ اسی لیے کفالت بالدرک
بھی صحیح ہے)

اسی بناء پر ایسے مال کی کفالت درست ہے جو کسی کا دوسرے
پر آئندہ زمانہ میں ثابت و واجب ہو۔ (چنانچہ مثلاً زید نے اگر فلاں مذکور
کے ساتھ اس کے بعد کوئی معاملہ کیا اور کچھ رقم واجب الادا ہوگئی تو کفیل

ذمہ دار ہوگا۔ اگرچہ بوقتِ کفالت زید کا فلاں پر کچھ حق نہ تھا، لیکن اس قسم کے معاملہ کا رہن صحیح نہیں ہوتا (حتیٰ کہ جو چیز بطور رہن دی گئی وہ مرہون نہ ہوگی بلکہ امانت ہوگی)

اگر مشتری نے حق واجب ہونے سے پہلے اس رہن پر قبضہ کر لیا اور وہ مقبوض چیز مشتری کے پاس تلف ہوگئی تو اس کا ضیاع بحیثیت امانت ہوگا کیونکہ کوئی عقدِ ضمانت تو ہے ہی نہیں۔ اس لیے کہ عقدِ رہن تو باطل واقع ہوا ہے۔ بخلاف اس رہن کے جو موعود قرض کے بالمقابل واقع ہو۔ مثلاً راہن یوں کہے کہ میں یہ چیز تیرے پاس رہن رکھتا ہوں تاکہ تو مجھے ہزار درہم بطور قرض دے (راہن نے مرہون چیز مرتہن کے حوالے کر دی اور قرض کی رقم ابھی وصول نہیں کی) اور مرہون چیز مرتہن کے ہاں تلف ہوگئی۔ تو یہ مرہون چیز اس مال کے عوض ضائع ہوگی جو اس کے مقابلہ میں مذکور تھا (مذکورہ مثال میں مرتہن کے ذمہ ہزار درہم ہوں گے) کیونکہ وہ قرض جس کا وعدہ کیا گیا تھا اس کو رہن کی حالت میں ضرورت و حاجت کے پیشِ نظر موجود قرار دیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مالِ مرہون بطور رہن مرتہن کے قبضہ میں آیا ہے۔ ایسے رہن کی وجہ سے جو قرض کو موجود تسلیم کرتے ہوئے صحیح ہے۔ لہٰذا اس رہن کا وہی حکم ہوگا جو قرض موجود کے رہن کا ہوتا ہے، جیسے کہ وہ سامان جو مول تول اور بھاؤ کرنے کے طور پر مشتری کے پاس موجود ہو۔ تو مشتری اس کا ضامن ہوتا ہے۔

(مثلاً ا نے ب کا گھوڑا چکایا اور ہزار روپے قیمت بتائی۔ ابھی ایجاب وقبول نہیں ہوا تھا کہ ا گھوڑے کو گھر لے آیا اور اس کے ہاں تلف ہوگیا تو اس پر وہ ثمن لازم ہوگی جس کا اس نے گھوڑا لاتے وقت ذکر کیا تھا)

مسئلہ:۔ امام قدوری نے فرمایا۔ سلم کے رأس المال کے عوض۔ بیع صرف کے ثمن کے عوض اور مسلم فیہ کے عوض رہن صحیح ہوتا ہے۔ امام زفر جواز کے قائل نہیں کیونکہ رہن کا حکم استیفاء یعنی حق کی وصولی ہے۔ اور زیر بحث صورت میں حق کی وصولی نہیں بلکہ استبدال ہے (یعنی اپنے حق کے بدلے کوئی دوسری چیز لینا) کیونکہ دونوں میں مجانست نہیں پائی جاتی (جب دونوں میں ہم جنس ہونا معدوم ہے تو یہ عین وصولی حق نہیں بلکہ تبادلہ ہے) اور اس قسم کی اشیاء میں شریعت کی طرف سے استبدال کا دروازہ وا نہیں کیا گیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مالیت کی جہت کے مدنظر مجانست موجود ہے (یعنی جس طرح یہ اشیاء مال کے قبیل سے ہیں اسی طرح مرہون بھی مال ہے) تو مالیت کے لحاظ سے استیفاء متحقق و متصور ہوگا۔ اور یہی مالیت مضمون ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ:۔ فرمایا مبیع کے عوض رہن لینا باطل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ مبیع اپنی ذات کے لحاظ سے مضمون نہیں ہوتا (بلکہ ثمن کے عوض مضمون ہوتا ہے کہ اگر مبیع تلف ہو جائے تو ثمن ساقط ہو جاتا ہے)

پس اگر مشتری کے ہاں مرہون تلف ہو گیا تو ضمان کے بغیر تلف ہوا کیونکہ باطل رہن قابلِ اعتبار نہیں ہوتا تو مرہون چیز مرتہن کے قبضہ میں مالک کی اجازت سے باقی رہی (اور مالک کی اجازت سے کسی چیز کا قبضے میں ہونا بطور امانت ہوتا ہے)

اگر وہ رہن جو بعوض ثمن صرف یا سلم کے رأس المال کے عوض تھا مجلسِ عقد ہی میں تلف ہو گیا تو عقدِ صرف و سلم پورا ہو جائے گا اور مرتہن کو اپنا قرض وصول کرنے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ حکمی قبضہ متحقق ہو گیا۔ اگر عاقدین مالِ مرہون کے تلف ہونے سے پہلے ہی جدا ہو جائیں تو عقد صرف و سلم دونوں باطل ہوں گے۔ کیونکہ نہ تو حقیقۃً قبضہ پایا گیا اور نہ حکماً (قبضہ کا حقیقۃً نہ پایا جانا تو ظاہر ہے اور حکماً اس لیے نہیں کہ اس نے رأس المال یا ثمن صرف کے عوض صرف رہن دیا ہے اور رہن استحکامِ حق کے لیے ہوتا ہے لیکن جب تلف ہو جائے تو مرتہن استیفاءِ حق کرنے والا ہوتا ہے تو یہ قرضہ کی وصولی حکماً قرار دی جاتی ہے اور مذکورہ مسئلہ میں صورتِ حال یہ ہے کہ متعاقدین تلفِ مرہون سے پہلے ہی ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہیں تو قبضہ حکمی بھی نہ ہوا)

اگر مرہون جو مسلّم فیہ کے عوض رہن ہے رب السلم کے پاس تلف ہو جائے تو اس کے تلف ہونے سے معاملۂ سلم باطل ہو جائے گا۔ باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رب السلم کے مسلم فیہ کی وصولی کا جو حق حاصل

تھا اسے حق کا پورے طور پر وصول کرنے والا قرار دیا جائے گا۔
اگر متعاقدین یعنی رب السلم اور مسلم الیہ دونوں عقد سلم کو فسخ کر دیں درآنحالیکہ مسلم فیہ کے عوض مسلم الیہ نے رب السلم کو کوئی چیز بطور رہن دے رکھی ہے تو یہ مرہون چیز رأس المال کے عوض رہن ہو گی حتیٰ کہ رب السلم اپنے رأس المال کی وصولی تک اسے محبوس رکھ سکتا ہے کیونکہ رأس المال مسلم فیہ کا بدل ہے (یعنی مسلم فیہ کی قیمت ہی رأس المال ہے اور کسی چیز کا بدل اس چیز کے قائم مقام ہوتا ہے) اور یہ اس مغصوب چیز کی طرح ہو گا جو تلف ہو جائے درآنحالیکہ غاصب نے بطور رہن کوئی چیز مالک کو دے رکھی ہو۔ تو وہ چیز مغصوب کی قیمت کے بالمقابل رہن ہو گی (اسی طرح جب مسلم فیہ تلف ہو گیا تو اس کی قیمت یعنی رأس المال کے عوض رہن ہو گی۔
اگر فسخ عقد کے بعد رب السلم کے پاس مرہون تلف ہو گیا تو مسلم فیہ اناج کے عوض تلف ہو گا کیونکہ وہ مسلم فیہ کے عوض میں ہی رہن تھا۔ اگرچہ محبوس دوسری چیز کے عوض میں تھا (یعنی محبوس تو رأس المال کی ادائیگی کے لیے تھا لیکن دراصل مسلم فیہ کے عوض مرہون تھا۔ اگر رأس المال کی ادائیگی ہو جائے تو مرہون شے مالک کو واپس کر دی جاتی ہے۔ لیکن مرہون اگر تلف ہو جائے تو جس چیز کے عوض رہن تھی اس کا استیفاء ہو گیا یعنی رب السلم نے مسلم فیہ وصول کر لیا بشرطیکہ مرہون مسلم فیہ کی قیمت کے برابر ہو) جیسے کسی شخص نے غلام فروخت کیا اور

مبیع کو سپرد کر دیا اور قیمت کے عوض کوئی چیز بطور رہن لے لی۔ لیکن پھر دونوں نے بیع کا اقالہ کر لیا تو بائع کو اختیار ہے کہ مبیع کے واپس لینے تک مرہون چیز کو روک لے کیونکہ ثمن مبیع کا بدل ہے اگر مرہون تلف ہو جائے تو بعوض ثمن کے تلف ہو گا جیسا کہ ہم نے بیان کیا (کیونکہ مرہون دراصل ثمن کے عوض ہے)

اسی طرح اگر ایک غلام شراءِ فاسد سے خرید کیا (جس کا توڑنا شرعی طور پر واجب ہوتا ہے) اور اس کی قیمت ادا کر دی (پھر دونوں نے شرعی حکم کے مدنظر اس بیع کو فسخ کرنا چاہا) تو مشتری کو ثمن کے وصول ہونے تک مبیع کو روک لینے کا حق حاصل ہے اگر روک لینے کے بعد مبیع مشتری کے ہاں ہلاک ہو جائے تو یہ اپنی قیمت کے مقابلے میں ہلاک ہو گا (یعنی عقدِ بیع میں طے شدہ ثمن کا لحاظ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی اصل قیمت پیش نظر ہو گی) تو مشتری اس کی قیمت ادا کر کے اپنا ثمن واپس لے جیسے کہ فسخ سلم کے بعد مرہون تلف ہو جانے کی صورت میں رب السلم پر ضروری ہوتا ہے کہ مسلم فیہ کے مثل اناج دے کر رأس المال واپس کر لے۔

مسئلہ: فرمایا: آزاد، مدبر، مکاتب اور اُمّ ولد کا بطور رہن رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ قبضۂ استیفاء حاصل ہو۔ اور ان سے استیفاءِ یعنی حق کی وصولی ممکن نہیں۔ کیونکہ آزاد شخص میں مالیت کا پہلو مفقود ہوتا ہے اور مدبر، مکاتب اور ام ولد کی صورت میں مانع موجود ہے (کہ ان کی آزادی کا استحقاق ثابت ہو چکا ہے اور ان کی بیع جائز نہیں)

مسئلہ:۔ کفالت بالنفس میں رہن لینا جائز نہیں اسی طرح قصاص نفس یا اس سے کم کسی عضو کے عوض بھی رہن لینا جائز نہیں ۔کیونکہ ان صورتوں میں استیفاء حق ممکن نہیں (مثلاً حاضر ضامنی کے عوض مکان لیا لیکن مدعاعلیہ کو جب ضامن نے حاضر نہ کیا تو مکان سے اس کا عوض کیسے حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح قصاص قتل یا قصاص عضو مثلاً قطع ید کے عوض مکان کا رہن رکھا جائے تو مکان سے یہ قصاص کیسے لیا جا سکتا ہے بخلاف اس کے اگر جنایت خطاء ہو (جس کی وجہ سے جرمانہ یا دیت لازم ہوتی ہے) تو اس کے عوض رہن لیا جا سکتا ہے کیونکہ مال رہن سے جرمانے یا دیت کی وصولی ممکن ہے۔

مسئلہ:۔ شفعہ کے عوض رہن لینا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ مبیع مشتری کے ذمے مضمون نہیں ہوتا۔ (حتیٰ کہ مبیع اگر تلف ہو جائے تو مشتری پر اس کی قیمت یا مثل واجب نہ ہوگا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ا اور ب کی زمین ساتھ ساتھ ہے۔ ا نے اپنی زمین ج کے ہاتھ فروخت کر دی ۔ ب نے طلب شفعہ کیا اور ج سے کوئی چیز بطور رہن طلب کی۔ تو یہ مطالبہ درست نہ ہوگا اور نہ رہن صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ زمین نہ تو ابھی ب کی مملوک ہے۔ اور نہ یہ زمین ج کے پاس بطور ضمانتی قبضہ مقبوض ہے لہٰذا اس کے عوض رہن کا مطالبہ درست نہ ہوگا۔ اگر یہ زمین دریا کے ساتھ واقع ہوا اور دریا گزرگاہ تبدیل کرتے ہوئے اس زمین کو تلف کر دے تو ج اس کا ضامن نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اور رہن جائز نہیں مجرم غلام کے عوض اور نہ ماذون مقروض غلام کے عوض۔ کیونکہ آقا پر اس غلام کا تاوان واجب نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر غلام ہلاک ہو جائے تو آقا پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ نوحہ کرنے والی اور گانے والی عورت کی اُجرت کے عوض رہن جائز نہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی چیز رکھی گئی اور وہ تلف ہو گئی تو یہ مضمون نہ ہو گی (یعنی اس کی ضمانت واجب نہ ہو گی) کیونکہ مرہون کے مقابلے میں کوئی ضمانتی چیز نہیں ہے۔ (اس لیے کہ رونے والی اور گانے والی عورت کی اجرت ہی واجب نہیں ہوتی)۔

مسئلہ:۔ مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ شراب کو بطور رہن رکھے یا کسی ذمّی یا مسلمان سے شراب کا رہن قبول کرلے۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں اس کی ادائیگی اور وصولی بطور حق ممکن نہیں (یعنی مسلمان شراب کے سلسلے میں نہ راہن بن سکتا ہے اور نہ مرتہن) اگر رہن رکھنے والا ذمی ہو (اور مسلمان شخص نادانی سے شراب کو بطور رہن رکھ لے) تو مسلمان مرتہن پر ذمی راہن کے لیے شراب مضمون یعنی اس کے ذمہ قابلِ ضمان ہوگا جیسے کہ اگر مسلمان ذمی سے شراب غصب کرلے تو اس پر تاوان واجب ہو جاتا ہے (لہٰذا اسی طرح رہن کی صورت میں شراب قابلِ ضمان ہو گی) بخلاف اس کے اگر مرتہن ذمی ہو اور راہن مسلمان ہو تو ذمی مسلم راہن کے لیے ضامن نہ ہوگا جیسے کہ ذمی اگر مسلمان سے شراب غصب کرلے تو اس کا ضامن نہیں ہوتا۔

البتہ جب شراب کا عقدِ رہن ذمیوں کے اپنے درمیان جاری ہو (تو اس

پر مالِ مرہون کا حکم عائد ہوگا) کیونکہ ذمیوں کے نزدیک خمر مال متقوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ بخلاف مردار اور خون کے کہ اس پر مرہون کے احکام جاری نہ ہوں گے کیونکہ یہ ان کے نزدیک بھی مال کی حیثیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا مردار کا رہن و ارتہان ان کے درمیان بھی جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ مسلمانوں کے درمیان جائز نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے ایک غلام خریدا اور اس کے ثمن کے عوض ایک غلام رکھ دیا یا سرکہ یا ذبح کی ہوئی بکری۔ بعد ازاں پتا چلا کہ مرہون غلام تو آزاد شخص ہے۔ سرکہ دراصل شراب ہے۔ اور مذبوح بکری فی الحقیقت مردار ہے تو مرہون مذکور مضمون ہوگی۔ کیونکہ اس نے ظاہری واجب قرضہ کے عوض رہن دیا ہے (اور قرضے کا ظاہری طور پر واجب ہونا رہن کے صحیح اور مضمون ہونے کے لیے کافی ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر عاقدین قاضی کی عدالت میں پیش ہوں تو قاضی مشتری کے ذمہ ثمن کے واجب ہونے کا فیصلہ کرے گا۔

اسی طرح جب کسی غلام کو خطا سے قتل کردے اور پھر کوئی چیز اس کی قیمت کے عوض بطور رہن دے۔ اور بعد ازاں ظاہر ہوا کہ مقتول غلام تو آزاد شخص تھا۔ تو رہن مضمون ہوگا۔ یہ تمام تفصیل ظاہر الروایۃ کی بناء پر ہے (نوادر میں بھی اسی کے مطابق حکم موجود ہے۔ البتہ امام یوسفؒ کا اختلاف مذکور ہے)

اسی طرح اگر مدعیٰ علیہ نے مدعی کے ساتھ انکار پر صلح کی (یعنی مدعی کے دعویٰ سے انکار کے باوجود یک صد روپے پر صلح کر لی) اور جس رقم پر صلح

کی اس کے عوض کوئی چیز رہن رکھ دی پھر دونوں نے باہمی طور پر ایک دوسرے کی تصدیق کر دی کہ مدعی علیہ پر میرا کوئی حق نہ تھا اور نہ کسی قسم کا قرض تھا: تو بھی مرہون مضمون ہوگا (حتّٰی کہ اگر مرہون تلف ہو جائے تو جس کے عوض رہن تھا وہ واجب ہوگا کیونکہ رہن کے وقت قرضہ تھا تو رہن پر قبضہ بطور استیفاء واقع ہوا تھا پس مضمون ہوگا) نوادر کی روایت میں امام ابو یوسفؒ سے اس کے خلاف منقول ہے۔ اور اسی طرح ان مسائل میں جو اس سے پہلے بیان کیے گئے ہیں ان کا قیاس ہے (یعنی غلام کے آزاد ثابت ہونے۔ سرکہ کے شراب ہونے اور مذبوحہ بکری کے مردار ہونے کی صورت میں بھی ان کے اس قول پر قیاس کرتے ہوئے ظاھر الروایۃ کے حکم کے خلاف ہوگا) کیونکہ یہ مسئلہ صلح بھی مسئلہ متقدمہ کی جنس سے ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اس قرض کے عوض جو اس پر واجب ہے اپنے ولد صغیر کے غلام کو رہن رکھے۔ کیونکہ باپ کو ودیعت رکھنے کا اختیار ہے (حالانکہ امانت مضمون نہیں ہوتی) اور بچے کی مصلحت کے مدنظر رہن رکھنا بہ نسبت امانت کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ مرتہن تاوان کے ڈر سے مرہون چیز کی نگرانی بہت مناسب طریق سے کرتا ہے (لیکن امانت میں امین کو ایسا کوئی خدشہ نہیں ہوتا) اگر مرہون تلف بھی ہو تو مضمون ہونے کی حیثیت سے تلف ہوگا۔ (اور بچے کے نقصان کا کوئی احتمال نہیں) لیکن ودیعت امانت کی حیثیت سے تلف ہوتی ہے۔ (جس میں کوئی تاوان لازم نہیں ہوتا)

اس باب میں وصی بھی باپ کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا (یعنی باپ کی وفات کی صورت میں وصی بھی یتیم کے مال کو بطور ودیعت رکھ سکتا ہے اور قرض کے عوض رہن بھی رکھ سکتا ہے۔ رہن رکھنا بہ نسبت امانت رکھنے کے زیادہ محفوظ طریق کار ہوگا)

امام ابویوسفؒ اور امام زفرؒ سے منقول ہے کہ باپ اور وصی دونوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے قرض کے عوض صغیر کے غلام کو رہن رکھیں۔ حقیقتِ ایفاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے (یعنی جس باپ اور وصی صغیر کے مال سے اپنا قرضہ حقیقۃً ادا نہیں کر سکتے اسی طرح صغیر کا مال رہن رکھ کر حکماً بھی ادا نہیں کر سکتے۔ البتہ ظاہر الروایۃ میں اداءِ حقیقی اور اداءِ حکمی میں فرق کیا گیا۔ کہ اداءِ حقیقی تو جائز نہیں کہ صغیر کے مال سے کی جائے لیکن اداءِ حکمی میں کوئی حرج نہیں)

ظاہر الروایۃ کے مدِ نظر فرق کی وجہ اور وہ استحسان کی صورت ہے۔ یہ ہے کہ بچے کے مال سے حقیقۃً قرض کی ادائیگی میں بچے کی ملکیت کا اس طرح زائل کرنا لازم آتا ہے کہ فی الحال اس کے قائم مقام اس کا کوئی عوض نہیں ہوتا اور رہن رکھنے کی صورت میں فی الحال اس کے مال کے لیے محافظ مقرر کرنا حاصل ہو جاتا ہے درآنحالیکہ اس کی ملکیت بدستور باقی رہتی ہے۔ اداءِ حقیقی اور رہن میں فرق ہو گیا (کہ اداءِ حقیقی میں بچے کا ضرر ہے اور رہن میں بچے کا کوئی ضرر نہیں)

جب مالِ صغیر کا بطور رہن رکھنا ثابت ہو گیا۔ اگر مرتہن کے پاس مرہون

تلف ہوگیا تو وہ اپنے حق کی پورے طور پر وصولی کرنے والا ہوگا۔ اور باپ یا وصی اس قرض کے ادا کرنے والے ہوں گے۔ اور ان میں ہر ایک بچے کے لیے مال کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ انھوں نے اپنا قرض بچے کے مال سے ادا کیا ہے۔

اسی طرح اگر باپ یا وصی نے مرتہن کو مرہون کی بیع پر مسلط کردیا یعنی اسے فروخت کی اجازت دے دی تو جائز ہوگا۔ کیونکہ اس کا مسلط کرنا گویا فروخت کے لیے وکیل مقرر کرنے کی طرح ہوگا۔ اور باپ یا وصی کو اس امر کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ صغیر کا مال فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرسکیں۔

مشائخ کا ارشاد ہے کہ اس مسئلہ کی اصل بیع ہے۔ (کہ جس طرح باپ یا وصی صغیر کے مال کی بیع کر سکتے ہیں وہ مرتہن کو بھی بیع کا اختیار دے سکتے ہیں) چنانچہ جب باپ یا وصی اپنے قرضخواہ کے ہاتھ صغیر کا مال فروخت کر دیں تو جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ثمن و قرض کا مقاصد اور باہم تبادلہ واقع ہوگا اور بچے کے لیے باپ یا وصی ضامن ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقاصد نہ ہوگا۔ بائع کی طرف سے وکیلِ بیع کا بھی یہی حکم ہے (کہ اگر اس نے مؤکل کے قرض خواہ کے ہاتھ مؤکل کے مال کی بیع کر دی تو جائز ہے اور طرفین کے نزدیک مقاصد واقع ہوگا لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقاصد واقع نہ ہوگا) اور رہن بیع کی نظیر ہے اس کے انجام کو وجوب ضمان کی حیثیت سے پیش نظر رکھتے ہوئے (یعنی جس طرح بیع میں مقاصد ہو جاتا ہے اور باپ یا وصی انجام کار صغیر کے مال کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح رہن میں بھی اداءِ قرض ہو کر ضامن ہوتا ہے تو دونوں ایک

دوسرے کی نظیر ہیں اور بیع میں ائمۂ کرام کا جو اختلاف ہے وہ رہن میں بھی ہوگا۔

مسئلہ: اگر باپ نے صغیر کا مال اپنے پاس رہن رکھ لیا یا اپنے دوسرے صغیر بیٹے کے پاس رہن رکھا یا ماُذون غلام کے پاس جس پر کوئی قرض نہیں رہن رکھا تو جائز ہوگا (اس مسئلہ سے یہ ظاہر کرنا مقصد ہے کہ بعض اوقات راہن و مرتہن ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ مثلاً باپ کا صغیر پر کچھ قرض ہوا اور قرض کے عوض صغیر کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے تو باپ اپنے بیٹے کے نائب ہونے کی حیثیت سے اس کے مال کا راہن ہوا اور اس لحاظ سے کہ وہ بحق قرض مال اپنے قبضہ میں لے رہا ہے مرتہن ہوا۔

صغیر کا مال دوسرے صغیر کے پاس رہن رکھنے کی صورت بھی اسی طرح ہے کہ کسی طرح دوسرے بیٹے کا اس پر قرض ہو تو باپ اس قرض کے عوض پہلے بیٹے کا کچھ سامان بطور رہن دوسرے کے پاس رکھ دے یا ماُذون غلام کے پاس جو مقروض نہیں رہن رکھ دے تو ان صورتوں میں معاملۂ رہن جائز ہے۔ کفایہ وسراج الہدایہ) کیونکہ باپ کو وفورِ شفقت کی بناء پر دو شخصوں کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور اس عقد رہن میں اس کی عبارت کو دو عبارتوں کے قائم مقام قرار دیا جائے گا (یعنی وہی ایجاب کرنے والا ہے اور وہی قبول کرنے والا ہے جیساکہ صغیر کا مال اپنے ہی ہاتھ فروخت کرے تو عقد بیع کی دونوں طرفوں یعنی ایجاب اور قبول کا والی ہوگا (لیکن واضح رہے کہ یہ حکم صرف باپ کے لیے مخصوص ہے)۔

اگر وصی نے صغیر کا مال اپنے پاس رہن رکھ لیا یا ان دونوں میں سے ایک کے پاس (یعنی اپنے صغیر بیٹے یا اپنے مأذون غیر مقروض غلام کے پاس) یا اپنا مالِ عین یتیم کے پاس اس حق کے عوض جو یتیم کی طرف سے وصی پر ہے رہن رکھا تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وصی تو وکیلِ محض ہے اور عقد رہن میں ایک شخص عقد کی دونوں طرفوں کا متولّی نہیں ہو سکتا جس طرح کہ وہ وکیل بیع میں عقد کی دونوں جانبوں کا متولّی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وصی کی شفقت (باپ کی شفقت کے مقابلے میں کہیں) قاصر ہوتی ہے لہٰذا اس کے معاملے میں حقیقت اور اصل قانون سے عدول نہیں کیا جائے گا کہ وصی کو باپ کے ساتھ ملحق کیا جائے۔

وصی کا اپنے صغیر بچے کے ہاتھ یا اپنے تاجر غلام کے ہاتھ جس پر قرض نہ ہو رہن رکھنا اپنے پاس رہن رکھنے کی طرح ہے (جب اپنے پاس رہن رکھنا جائز نہ ہوگا تو ان کے پاس بھی جائز نہ ہوگا) بخلاف اس کے اگر اپنے بڑے بیٹے۔ یا اپنے باپ یا اپنے ایسے مأذون غلام کے پاس جو مقروض ہے رہن رکھے تو جائز ہوگا کیونکہ وصی کو ان مذکورین پر ولایت حاصل نہیں (بلکہ یہ لوگ خود مختار ہیں) اور یہ لازم نہ آئے گا کہ ایک شخص ہی عقد کی دونوں جانبوں کا متولی بن رہا ہے) بخلاف وکیل بالبیع کے کہ جب وہ اپنے بڑے بیٹے۔ یا باپ یا مأذون مقروض غلام کے ہاتھ بیع کرے تو جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کے ہاتھ بیع کرنے کی صورت میں وکیل پر تہمت لگ سکتی ہے (کہ مشتری اس کا اپنا آدمی ہے شاید اس نے خسارہ کی بیع کی ہو) لیکن رہن کی صورت

میں کسی قسم کی تہمت کا موقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ رہن کا تو صرف ایک ہی حکم ہوتا ہے (کہ بالفعل قبضۂ استیفاء حاصل ہو اگر مرہون تلف ہو جائے تو مرہون کی قیمت کے مطابق قرض ساقط ہو جائے)

مسئلہ:۔ اگر وصی نے یتیم کی لباس اور کھانے کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کچھ رقم قرض لی اور اس کے عوض یتیم کا کچھ سامان رہن رکھ دیا تو جائز ہوگا۔ اس لیے کہ وصی کو یتیم کی ضرورت و حاجت کے لیے قرض لینے کا اختیار ہے اور رہن رکھنا حق کی ادائیگی کرنا ہے لہٰذا جائز ہوگا (کیونکہ صغیر کی ضروریات کا اسی کے مال سے پورا کرنا جائز ہے)

اگر وصی یتیم کے مال کو تجارت میں لگائے اور اس سلسلے میں کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھے یا کسی دوسرے کے پاس تو جائز ہوگا۔ اس لیے کہ وصی کے لیے اس قسم کی تجارت کرنا اولیٰ و افضل ہے جو یتیم کے مال میں اضافے کی نیت سے کی جائے اور امورِ تجارت میں اس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہوتا کہ رہن دے اور رہن کو قبول کرے کیونکہ رہن وارتہان حق کی ادائیگی اور حق کی وصولی کا نام ہے (اور تاجر کو ان امور سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔ جب وصی کو تجارت کرنے کا حق حاصل ہے تو اسے لوازماتِ تجارت کا حق بھی حاصل ہوگا)

مسئلہ:۔ جب باپ صغیر کا کچھ سامان بطورِ رہن رکھے۔ صغیر بالغ ہو جائے اور باپ مرجائے (یا زندہ ہی ہو۔ موت کی قید اتفاقی ہے۔ باپ کے زندہ ہوتے ہوئے بھی یہی حکم ہے) تو بیٹے کو یہ حق نہیں کہ وہ قرض کی رقم ادا کیے بغیر مرہون کو واپس لے کیونکہ یہ رہن اس کی جانب سے لازم ہو چکا ہے۔ اس

لیے کہ باپ کا تصرّف گویا کہ اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کے اپنے تصرف رہن کی طرح ہے۔ کیونکہ باپ بیٹے کا قائم مقام ہوتا ہے (اگر بلوغت کے بعد بیٹے نے خود تصرّف رہن کیا ہو تو ادائیگی قرض کے بغیر مرہون واپس نہیں جا سکتا۔ اسی طرح باپ کے تصرف کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا)

اگر باپ نے اپنے لیے قرض کے سلسلے میں صغیر کا مال بطور رہن رکھا۔ بیٹے نے باپ کا قرض ادا کر دیا (اور مالِ مرہون واپس لے لیا) تو بیٹا ادا کردہ رقم کے لیے باپ کے مال سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ بیٹا اس ادائیگی پر اپنے مملوک مال کے احیاء و بقاء کے لیے مجبور تھا۔ (اگر وہ قرض کی ادائیگی نہ کرتا تو اس کا مملوک مال رہن میں محبوس رہتا) تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو رہن کے لیے اپنا مال عاریت پر دینے والا ہو۔ (یعنی اگر اپنے مال کو رہن سے واگزار کرانے کے لیے مقروض کا قرض ادا کر دے تو اسے مقروض سے بطور قرض ادا کردہ رقم کے مطالبہ اور رجوع کا حق حاصل ہوگا)

اسی طرح اگر مالِ مرہون بیٹے کے واگزار کرانے سے پہلے ہی تلف ہو جائے تو بیٹے کو اختیار ہوگا کہ وہ باپ کے مال سے رجوع کرے۔ کیونکہ اس صورت میں باپ اپنے قرض کو بیٹے کے مال سے ادا کرنے والا ہے اس لیے بیٹے کو حق ہے کہ وہ اپنے حق کے لیے باپ سے رجوع و مطالبہ کرے۔

اگر باپ نے صغیر کا مال ایسے قرض کے عوض رہن رکھا جس کا کچھ حصہ اس پر واجب ہے اور کچھ حصہ صغیر پر (یعنی باپ بیٹا دونوں مقروض ہیں) تو ایسا رہن جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ معاملہ دو جائز امروں پر مشتمل ہے لہٰذا جائز ہوگا۔

(اور کوئی مانع امر موجود نہیں) اگر مالِ مرہون تلف ہوگیا تو باپ اپنے حصے کے مطابق اپنے بیٹے کے لیے ضامن ہوگا کیونکہ اپنی مقدار قرض کو اس نے اپنے بیٹے کے مال سے ادا کیا ہے (مثلاً باپ سے دو سو روپیہ قرض لیا۔ سو روپیہ اپنے لیے اور سو بیٹے کے لیے۔ مالِ مرہون ہلاک ہوگیا۔ تو باپ سو روپے کا اپنے بیٹے کے لیے ضامن ہوگا) وصی کا بھی یہی حکم ہے (کہ اگر وصی یتیم کا سامان رہن رکھے۔ یتیم بالغ ہو جائے تو وہ قرض کی ادائیگی کے بغیر مرہون مال کو واپس نہیں لے سکتا۔ پھر ادا کردہ قرض کے لیے وصی سے رجوع کرے)۔

اور باپ کے باپ یعنی دادا کا بھی یہی حکم ہے جب کہ باپ یا باپ کا وصی زندہ نہ ہو یا موجود نہ ہو (یعنی نہ تو باپ موجود ہے اور نہ باپ کا وصی تو دادا باپ کے قائم مقام ہوگا اور مذکورہ تمام تصرفات میں دادا کے وہی احکام ہوں گے جو باپ کے ہیں۔

مسئلہ: اگر وصی نے یتیم کا کچھ مال ایسے قرض کے عوض رہن رکھ دیا جو وصی نے یتیم کی ضروریات کی تکمیل کے لیے قرض لیا۔ مرتہن نے مالِ مرہون کو قبضے میں لے لیا۔ وصی نے پھر یتیم کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مالِ مرہون مرتہن سے مستعار لے لیا۔ اور وہ مال وصی کے ہاں تلف ہوگیا تو یہ مال رہن ہونے سے خارج ہوگیا اور اس کا تلف وضیاع یتیم کے مال سے شمار ہوگا۔ کیونکہ وصی کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسا کہ یتیم خود بالغ ہونے کے بعد سرانجام دے اس لیے کہ یہ مستعار لینا بچے کی ضروریات کی کفالت کے لیے تھا۔ تو اس صورت میں حکم یہی ہے۔ ان شاءاللہ اس کی تفصیل ہم آئندہ

اوراق میں تصرف فی الرہن کے ضمن میں بیان کریں گے۔
مرہون کے ضیاع کے بعد اصل مال یعنی قرض وصی کے ذمہ ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا مطالبہ وصی سے کیا جائے گا۔ اور وصی اس یتیم سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ اس مستعار لینے میں وصی نے کسی تعدّی اور زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا۔ بلکہ یہ مستعار لینا تو بچے کی حاجت و مصلحت کے لیے تھا (لہٰذا قرض کی ادائیگی بچے کے مال سے ہوگی)

اگر وصی نے کسی اپنی ضرورت کے لیے مستعار لیا ہو تو تلف کی صورت میں وہ بچے کے لیے ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی طرف سے تعدّی پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اسے ایسی ولایت حاصل نہ تھی کہ بچے کے مال کو اپنی ضروریات کے لیے استعمال میں لائے۔

اگر وصی یتیم کے مال کو رہن رکھنے کے بعد مرتہن سے غصب کرلے اور اسے اپنی ضروریات کے لیے استعمال میں لائے حتّٰی کہ مرہون اس کے پاس تلف ہو جائے تو وصی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ مرتہن کے حق میں غصب کرنے اور اسے استعمال میں لانے کی بناء پر تعدی کرنے والا ہے اور لڑکے کے حق میں اپنے ذاتی استعمال میں لانے کی بناء پر تعدی سے کام لینے والا ہے۔ لہٰذا مرہون کی قیمت سے جو وصی کے ذمہ ہے مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا۔ اگر ادائیگیِ قرض کا مقررکردہ وقت آچکا ہے (ورنہ قیمت بطور رہن رہے گی)

اگر مرہون کی قیمت قرض کے برابر ہو تو وصی یہ قیمت مرتہن کو ادا کرے

اور یتیم سے کچھ رجوع نہ کرے۔ کیونکہ یتیم کے لیے وصی پر اسی جیسا حق واجب ہے جو وصی کے لیے یتیم پر واجب ہے۔ (یعنی جیسا حق وصی پر یتیم کا تھا ایسا ہی مرتہن کا قرض بھی یتیم پر تھا)۔ تو دونوں کے درمیان برابر حقوق پر مقاصہ ہوا۔ (ہر ایک کو اپنے اپنے حق کے مطابق مل گیا۔ یعنی وصی بچے سے ادا کردہ قرض کا رجوع نہ کرے گا اور بچے کو مرہون کے تاوان کے رجوع کا وصی سے حق نہ ہوگا)

اگر مرہون کی قیمت قرض سے کم ہو تو وصی قیمت کی مقدار تو اس قرض سے مرتہن کو ادا کرے۔ اور باقی زائد مقدار یتیم کے مال سے ادا کرے۔ کیونکہ وصی پر جس قدر ضمان واجب ہوئی ہے وہ مرہون کی قیمت کے مطابق ہے اس کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں (مثلاً مرہون کی قیمت سو روپیہ ہے اور قرض دو صد روپے ہے تو وصی ایک صد اپنے پاس سے بطور ضمانت ادا کرے اور باقی یک صد یتیم کے مال سے ادا کیا جائے)۔

اگر مرہون کی قیمت قرض کی رقم سے زائد ہو تو قرض کی مقدار قیمت سے ادا کر دے اور باقی ماندہ قیمت کی مقدار یتیم کی ملکیت ہوگی۔ اگر قرض کی ادائیگی کا مقررہ وقت نہیں آیا تو پوری قیمت مرتہن کے پاس بطور رہن ہوگی اس لیے کہ قیمت مرہون کے قائم مقام ہے) کیونکہ وصی مرتہن کے لیے اس لیے ضامن ہے کہ وصی نے اس کا محترم حق ضائع ہے پس یہ قیمت جو مرہون کے قائم مقام ہے مرتہن کے پاس بطور رہن رہے گی۔ جب ادائے قرض کی مقررہ مدت آگئی تو حکم کی وہی تفصیل ہوگی جو ہم نے مذکورہ بالا تین صورتوں میں بیان کی ہے۔

اگر وصی نے مرہون کو غصب کر لیا اور اسے صغیر کی ضرورت کے لیے استعمال کیا حتیٰ کہ مرہون اس کے ہاں ہلاک ہو گیا تو وہ حق مرتہن کے لیے ضامن ہوگا اور حق صغیر کے لیے ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ صغیر کی حاجت کے لیے مالِ مرہون کے استعمال کرنے میں کوئی تعدّی نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح صغیر کا مال لینا بھی تعدی کی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ وصی کو مال لینے کی ولایت حاصل ہے۔ (صغیر کے حق میں اس کا غاصب ہونا متحقق نہ ہوگا)

اسی بناء پر امام محمدؒ نے کتاب الاقرار میں کہا کہ اگر باپ یا وصی نے صغیر کے مال کے غصب کرنے کا اقرار کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں آئے گی کیونکہ باپ یا وصی کی طرف سے غصب تصوّر نہیں ہوتا اس لیے کہ ہر ایک کو صغیر کے مال کے لینے کا حق ہوتا ہے۔ جب مرہون اس کے قبضہ میں تلف ہو گیا تو وہ مرتہن کے لیے لازم ہوگا جس کو مرتہن اپنے قرض میں وصول کرے گا۔ بشرطیکہ قرض کی مقررہ میعاد آگئی۔ اور وصی مرتہن کو ادا کردہ رقم کے سلسلے میں صغیر سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ اس نے صغیر کے حق میں کسی قسم کی تعدی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ وہ تو صغیر کے لیے ہی عمل کرنے والا تھا۔ اگر قرض کی مقررہ میعاد نہیں آئی تو قیمت بطور رہن مرتہن کے پاس رہے گی۔ اور جب قرض کی میعاد آگئی تو مرتہن اس سے اپنا قرض وصول کرے گا اور وصی اس تاوان کی واپسی کے لیے صغیر کی طرف رجوع کرے گا۔ بدلیل مذکورہ (کہ اس نے صغیر کے حق میں تعدی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اسی کے لیے عامل تھا)

مسئلہ: ۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ دراہم، دنانیر، مکیلی اور موزونی اشیاء

کا رہن جائز ہے۔ کیونکہ ان اشیاء سے استیفاء ہو سکتا ہے تو یہ اشیاء محل رہن بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر ایسی اشیاء اپنی جنس کے مقابلے میں رہن رکھی گئیں (مثلاً درہم نے مقابلے میں درہم اور گندم کے مقابلے میں گندم) ازاں بعد وہ مرہون چیز مرتہن کے پاس تلف ہوگئی تو اس کا ضیاع اسی مقدار قرض سے شمار ہوگا (مثلاً پانچ من گندم قرض لی اور پانچ من گندم بطور رہن رکھی تو یہ قرض کی وصولی شمار ہوگی) اگرچہ دونوں میں عمدگی اور غیر عمدگی کے لحاظ سے صفت میں فرق ہو۔ کیوں کہ اپنی جنس کے مقابلے جودت و عدم جودت کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرتہن اپنا قرض وزن کے لحاظ سے وصول کرنے والا ہوتا ہے قیمت کے لحاظ سے نہیں (جب کہ جنس کا مقابلہ جنس سے ہو) صاحبینؒ کے نزدیک مرتہن اس کی قیمت کا خلاف جنس سے ضامن ہوگا۔ اور یہی قیمت مرہون کی بجائے رہن ہوگی (مثلاً سو درہم قرض لیے اور سو درہم رہن رکھے۔ مرہون تلف ہوگیا تو مرہون کی قیمت دیناروں سے لگائی۔ مثلاً دس دینار۔ اب یہ دس دینار مرہون ہوئے تو اداء قرض کے وقت باعتبار قیمت کے ادائیگی ہوئی۔

جامع صغیر میں مذکور ہے کہ چاندی کا ایک لوٹا جس کا وزن دس درہم ہے۔ دس درہم کے عوض رہن رکھا گیا اور وہ مرتہن کے ہاں ضائع ہوگیا تو اس کا تلف ہونا اسی رقم کے بالمقابل ہوگا جس رقم کے عوض یہ رہن تھا۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ لوٹے کی قیمت اس وزن کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو۔ اور یہ حکم دونوں صورتوں (قیمت

وزن کے برابر ہو یا زائد) ہیں بالاتفاق ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استیفاء باعتبارِ وزن ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک باعتبار قیمت ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں قرض قیمت کے برابر ہے اور دوسری صورت میں قرض قیمت سے زائد ہے تو اس صورت میں مرتہن بقدر قرض اپنا حق وصول کرنے والا ہوگا (اور قرض سے زائد رقم بطورِ امانت اس کے پاس ہوگی)

اگر لوٹے کی قیمت قرض سے کم ہو تو اس میں (امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان) مذکورہ اختلاف ہے صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ باعتبارِ وزن استیفاءِ حق کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ اس میں مرتہن کا نقصان ہے (عمدگی کا وصف باقی نہ ہونے کی بناء پر) اور باعتبارِ قیمت بھی استیفاءِ حق کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ اس سے سود تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ (اس لیے کہ اگر وہ بلحاظ قیمت اپنے قرض کے بدلے کم قیمت مثلاً آٹھ درہم کا لوٹا قبول کرے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دس درہم کے بدلے آٹھ درہم من حیث الوزن قبول کر رہا ہے اور یہ سود ہے۔ کفایہ) لہٰذا ہم نے خلاف جنس سے تاوان واجب کرنے کا راستہ اختیار کیا تاکہ مرتہن کا سابقہ قبضہ ٹوٹ جائے اور خلافِ جنس قیمت کا یہ ضمان اس کے قائم مقام کر دیا جائے پھر مرتہن اپنی ملکیت حاصل کرلے (اس طرح نہ مرتہن کا نقصان ہوا اور نہ سود لازم آیا نیز مرتہن نے مالیت بھی وصول کرلی)

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اموالِ ربویہ (یعنی وہ اموال جن پر سود

کی حرمت مذکور ہے) میں جب مال کا مقابلہ اپنی جنس سے ہو تو کھرے اور کھوٹے ہونے کا وصف ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور عمدہ چیز کی وصولی ردی چیز کے ذریعے جائز ہوتی ہے جب کہ صاحب حق ردی چیز کے وصول کرنے میں مسامحت اور چشم پوشی سے کام لے (مثلاً زیر بحث مسئلہ میں لوٹے کی قیمت آٹھ درہم ہے اور قرض دس درہم ہے۔ صاحب حق چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے کم قیمت لوٹے کو ہی قرض کے عوض قبول کرے تو اس نے عمدہ چیز یعنی دس درہم کے بدلے ردی چیز یعنی آٹھ درہم کی قبول کرلی تو یہ جائز ہوگا) تو اس صورت میں مرتہن کو اپنے حق کی وصولی بالاجماع حاصل ہو چکی ہے اسی بنا پر قبضۂ استیفاء کو توڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے (جیسا کہ صاحبین نقض قبضہ کے قائل ہیں کہ سابق قبضۂ استیفاء کو توڑ کر خلاف جنس کا قبضہ دیا جائے اور یہ دوسرا قبضہ قبضۂ استیفاء ہوگا پس وصولی اور قبضہ دونوں پائے گئے) لیکن تاوان واجب کرتے ہوئے اس کا توڑنا ممکن نہیں کیونکہ تاوان واجب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک شخص مطالبہ کرنے والا بھی ہو اور دوسرا وہ شخص بھی جس سے مطالبہ کیا جائے (راہن تو مطالبہ کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسے مطالبہ کرنے میں نقصان ہے اور مرتہن بھی مطالبہ کرنے والا نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے تو مدعا علیہ قرار دیا جا چکا ہے تو وہ مدعی کیونکر بن سکتا ہے) ایجاب ضمان کے ناممکن ہونے سے مرتہن کے قبضہ اور اس کے استیفاء کا توڑنا بھی ناممکن ہوگا (الغرض خلاف جنس کی قیمت

واجب کرنے اور سابق قبضہ اور استیفاء کے توڑنے میں کئی اشکال ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق یہ اشکال وارد نہیں ہوتے۔ سراج الہدایہ)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ رہن ایک دوسرے مسئلے کی فرع ہے جب کہ صاحب حق نے کھرے دراہم کے بدلے کھوٹے دراہم وصول کر لیے اور وصول کردہ دراہم تلف ہو گئے بعد ازاں اسے پتا چلا کہ میں نے کھوٹے دراہم وصول کیے تھے۔ اس مسئلے کا حکم فقہاء کے درمیان مشہور ہے (کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی ادائیگی سے قرض ساقط ہو جاتا ہے اور مقروض پر کچھ لازم نہیں آتا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرض خواہ نے جو کچھ وصول کیا ہے اس کے مثل کا ضامن ہو گا جو مقروض کو واپس کیا جائے گا اور پھر اپنا حق پورے طور پر مقروض سے وصول کرلے گا تو بعض حضرات نے مسئلہ رہن کو اس مسئلہ قرض کی فرع قرار دیا۔ کفایہ)

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ تو مسئلۂ قرض کی فرع قرار دینا — جیسا کہ فقہاء میں معروف ہے — درست معلوم نہیں دیتا کیونکہ امام محمدؒ اس مسئلے میں جس پر تفریع کی جا رہی ہے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں حالانکہ مسئلہ زیر بحث میں ان کا قول امام ابو یوسفؒ کے موافق ہے۔ تو تفریع کیسے درست ہو گی بلکہ مسئلہ رہن ایک مستقل مسئلہ ہے مسئلہ قرض پر متفرع نہیں)

امام محمدؒ کے لیے وجہ فرق یہ ہے (یعنی مسئلہ قرض میں وہ امام ابو حنیفہؒ

کے ساتھ ہیں اور مسئلۂ رہن میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے) کہ مسئلہ معروف میں صاحبِ حق نے کھوٹے دراہم پر اس لیے قبضہ کیا کہ ان عین دراہم سے استیفاء حاصل کرلے اور کھوٹ استیفاء سے مانع نہیں ہوتا۔ (کیونکہ یہ دراہم بھی اس کے حق کی جنس ہیں اگرچہ وصف میں قدرے کمی ہے) اور تلف سے استیفاء مکمل ہوگیا۔ اور رہن کی صورت میں اس نے کھوٹے دراہم پر اس غرض کے تحت قبضہ کیا تھا کہ دوسرے محل سے استیفاء کرے (اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ بعینہٖ ان دراہم سے اپنا حق وصول کرے) تو قبضے کا توڑنا ضروری تھا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضامن قرار دینے سے قبضہ توڑنا ممکن ہے (الحاصل مسئلہ قرض میں قرضخواہ نے جو درہم وصول کیے وہ بعینہٖ اپنے حق کی وصولی کے طور پر لیے۔ لہٰذا قرض کا حساب بیباق ہوگیا اور رہن کے مسئلہ میں مرتہن نے ان دراہم کو وصولیِ حق شمار نہیں کیا بلکہ ان دراہم کو مرہون سمجھا کہ اصل حق تو راہن سے وصول ہوتا ہے۔ لیکن مرہون کے تلف ہوجانے کی بناء پر قرضے کے سقوط کا حکم لگایا گیا۔ اب دو صورتیں ممکن تھیں کہ مرہونہ دراہم کو ہی استیفاء قرار دیا جائے تو اس میں مرتہن کا ضرر ہے یا ان کی جنسی قیمت استیفاء قرار دی جائے تو یہ سود کی صورت تھی ناچار مرتہن کو ضامن قرار دیا گیا کہ وہ غیر جنس سے قیمت لے کر جدید قبضہ سے مرہون کرے پھر اپنا حق وصول کرے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام محمدؒ مسئلہ قرض میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور مسئلہ رہن میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ)۔

اگر چاندی کا لوٹا ٹوٹ جائے تو پہلی صورت میں یعنی جب کہ قیمت اس کے وزن کے برابر ہو۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک راہن کو فکّ رہن پر مجبور نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسے اختیار ہوگا اگر چاہے تو فکّ رہن کرے یا مرتہن سے تاوان لے) کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ لوٹے کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے قرض میں کچھ کمی کر دی جائے۔ کیونکہ قرض میں کمی کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ راہن صرف لوٹے کی ساخت سے کچھ حصّہ قرض کا ادا کرنے والا ہے (کیونکہ لوٹے کے ٹوٹ جانے کی صورت میں اس کا پورا وزن تو باقی ہے صرف ساخت اور بناوٹ میں فرق آیا ہے۔ اور اس کے بالمقابل قرض میں کمی نہیں کی جا سکتی کیونکہ ساخت میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ قرض کے کسی حصہ کے بالمقابل ہو سکے)۔ اور یہ بھی ممکن و مناسب نہیں کہ راہن اس ٹوٹے ہوئے لوٹے کو مع نقصان فکّ رہن کرے کیونکہ اس میں راہن کا نقصان ہے۔ تو راہن کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہے تو اسے شکستہ حالت ہی میں فک کرا لے اس قرض کے عوض جس کے مقابلے میں یہ مرہون ہے۔ یا چاہے تو مرتہن سے اس کی قیمت بطور ضمان وصول کرے خواہ یہ قیمت اس کی جنس سے ہو یا خلاف جنس سے (یعنی چاندی کے بدلے چاندی ہی لے یا قیمت کے مطابق سونا لے) اور یہ قیمت مرتہن کے پاس بطور مرہون رہے گی اور ضمان ادا کرنے کی بنا پر شکستہ لوٹا مرتہن کی ملکیت ہو جائے گا۔

امام محمدؒ کے نزدیک راہن کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسی شکستہ

حالت میں فک رہن کرائے (اور پورے قرض کی ادائگی کردے) یا چاہے تو اس قرض میں شمار کرلے شکستگی کی حالت کو تلف ہونے کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے (یعنی جس طرح مرہون کا تلف ہوجانا قرض میں محسوب ہوتا ہے اسی طرح اس کو ٹوٹنے کو بھی قرض میں شمار کیا جائے۔ مدیون کا قرضہ ساقط ہوجائے اور لوٹا مرتہن کی ملکیت ہوجائے) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صفت میں فک رہن متعذر رہے (یعنی نقصان کے عوض کے بغیر فک رہن ممکن نہیں) تو یہ نقصان بمنزلہ تلف ہوگا اور تلف حقیقی کی صورت میں بالاتفاق وہ بمقابلہ قرض قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو چیز معنوی طور پر تلف ہونے کی طرح ہے اس کا بھی یہی حکم ہوگا (یعنی لوٹے کی شکستگی کو تلف کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور قرض مرہون کے بالمقابل ادا شدہ شمار کیا جائے گا)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مرہون کے ضائع ہوجانے کی صورت میں استیفاء حق مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شکستہ لوٹا اپنی قیمت کے لحاظ سے مضمون ہوگا (اور یہ قیمت مرتہن کے پاس رہن ہوگی) پھر دونوں میں مقاصہ واقع ہوگا (مثلاً ابریق کی قیمت بھی دس درہم تھی اور قرض بھی دس درہم تھا تو آپس میں تبادلہ ہوگیا کہ مرتہن نے دس درہم کی چیز قرض کے عوض حاصل کرلی اور راہن کے ذمہ سے لوٹے کے بدلے قرض ساقط ہوگیا) قیمت کا ضمان واجب کیے بغیر اسے قرض کے مقابلے میں کردینا (جیسے کہ امام محمدؒ نے دوسری صورت میں بیان کیا ہے) مرہون

کے لیے دائمی طور پر محبوس ہونا لازم آتا ہے (کہ وہ ہمیشہ مرتہن کے قبضہ میں رہے اور راہن اسے چھڑا نہ سکے) تو یہ دورِ جاہلیت کا ایک طریقہ ہے جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ لہٰذا قیمت کا ضامن بنانا اولیٰ اور مناسب صورت ہے۔

اور تیسری صورت میں (مصنفؒ نے صورتِ دوم پر صورت سوم کو مقدم کیا۔ کیونکہ دوسری صورت میں تفصیل کی زیادہ ضرورت ہے۔ یعنی) جب کہ شکستہ لوٹے کی قیمت اس کے وزن سے کم ہو مثلاً قیمت آٹھ درہم ہو اور وزن دس درہم ہو تو مرتہن اس کی قیمت کا خلاف جنس سے ضامن ہوگا جو اس کے عمدہ ہونے کی صورت میں ہو یا اسی کی جنس سے قیمت کا ضامن ہوگا درآنحالیکہ یہ ردی ہو اور یہ قیمت مرتہن کے پاس بطور رہن ہوگی۔ یہ حکم متفق علیہ ہے۔ شیخینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے (کیونکہ شکستگی کی حالت ان کے نزدیک بہرحال ضمانِ قیمت کا سبب ہے۔ (کفایہ) اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ شکستگی کی حالت کو تلف کی حالت پر قیاس کرتے ہیں اور شکستگی کی صورت میں وہ بذریعہ قیمت وجوب ضمان کے قائل ہیں۔

اور دوسری صورت میں جب کہ قیمت اس کے وزن سے زائد ہو یعنی بارہ درہم ہو (اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دس درہم ہو لوٹے کا وزن بھی دس درہم ہو لیکن اس قیمت بارہ درہم ہو) تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پوری قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت اس کے پاس بطور رہن ہوگی کیونکہ اموالِ ربویہ میں امامؒ کے نزدیک وزن کا اعتبار ہوتا ہے جودت اور

ردائت جیسی اوصاف کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس اگر وزن کے اعتبار سے وہ چیز پورے طور پر مضمون ہو (مثلاً قرض بھی دس درہم ہے اور وزن بھی دس درہم ہے) تو تمام قیمت (جو وزن سے زائد ہے وہ بھی) مضمون ہوگی)
اگر اس کا بعض حصہ مضمون ہو (بایں طور کہ قرض وزن سے کم ہے) تو اسی لحاظ سے قیمت بھی مضمون ہوگی (یعنی قرض کی مقدار کے مطابق قیمت بھی مضمون نہ ہوگی۔ مثلاً لوٹے کا دو تہائی مضمون ہو تو بارہ درہم میں سے آٹھ درہم مضمون ہوں گے) اس کی وجہ یہ ہے کہ صفتِ جودت ذات کے تابع ہوا کرتی ہے اور جب اصل ذات ضمانت کی ذیل میں داخل ہو تو تابع کا امانت کے تحت داخل ہونا محال ہے (بلکہ تابع بھی ضمانت کے تحت ہوگا) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مرتہن مذکورہ مثال میں مرہون کے چھ حصوں میں سے پانچ حصوں یعنی ۵/۶ کا ضامن ہوگا۔ اور ضمان ادا کرنے کی بنا پر ۵/۶ حصے مرتہن کی ملکیت ہو جائیں گے اور اس کا چھٹا حصہ جدا کر لیا جائے گا تاکہ رہن شائع نہ رہے۔ اسی اصول کے مدنظر ابریق شکستہ کا چھٹا حصہ ابریق کی قیمت کے پانچ حصوں کے ساتھ ملا کر مرہون ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کھرے اور کھوٹے ہونے کی صفت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور قیمت کی زیادتی کو وزن کی زیادتی کے درجہ میں قرار دیا جائے گا۔ اور یہ فرض کیا جائے گا گویا اس کا وزن ہی بارہ درہم ہے۔ کیونکہ صفتِ جودت بذاتِ خود قیمت والی چیز ہے۔ حتیٰ کہ دوسری جنس کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور مریض کے تصرف میں بھی صفتِ جودت کا

اعتبار کیا جاتا ہے (یعنی اگر مریض نے مرض الموت میں سو کھرے درہم بعوض سو کھوٹے دراہم کے فروخت کیے تو یہ تصرف نافذ نہ ہوگا اگرچہ وزن برابر ہے۔ مریض کا یہ تصرف (یعنی اس کے مرنے کے بعد) صرف ترکہ کی تہائی میں قابلِ اعتبار ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ صفت جودت بذاتِ خود قیمتی چیز ہے۔ اس لیے خلافِ جنس کے مقابلہ میں بالاتفاق اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ کفایہ) اگر دلیل سمعی یعنی حدیث کی بنا پر ہم جنس کے ساتھ بیع میں اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس مسئلہ رہن میں صفتِ جودت کا اعتبار کرنا ممکن ہے۔

امام محمدؒ کے قول کے بیان میں بڑی طوالت ہے جو مبسوط اور زیادات میں اپنے مقام پر تمام تفصیلات و تعریفات کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: امام قدوریؒ نے فرمایا۔ اگر ایک شخص نے ایک غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری بائع کو فلاں معین چیز بطور رہن دے دے (تاکہ قیمت کی ادائیگی یقینی ہو جائے) تو استحساناً بیع جائز ہوگی ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بیع جائز نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ مشتری بائع کو وہ معین کفیل دے دے جو عقد کی مجلس میں موجود ہے۔ اور کفیل نے کفالت قبول کر لی تو بھی استحسان کے پیشِ نظر اور قیاس کے تقاضے کے مطابق حکم ہوگا۔

قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت ایک سودے میں دوسرے سودے کی ہے (قبل اس کے کہ ایک سودے کی تکمیل ہو) اور ایسا کرنا

شرعاً ممنوع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رہن یا کفالت کی شرط ایسی شرط ہے جس کا عقدِ بیع متقاضی نہیں۔ اور اس میں عاقدین میں سے ایک کے لیے (یعنی بائع کے لیے) منفعت ہے اور ایسی شرط عقدِ بیع کے فساد کا موجب ہوتی ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ شرط کافی حد تک عقدِ بیع سے مناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ کفالت و رہن استحکام و پختگی کے لیے ہوتے ہیں اور یہ چیز وجوبِ ثمن کے لیے بہت مناسب ہے۔ جب کفیل مجلسِ عقد میں موجود ہو اور رہن معین و مخصوص چیز ہو تو ہم اس میں معنیٰ کا اعتبار کرتے ہیں (یعنی استحکام و پختگی) اور یہ معنی وجوبِ ثمن کے مناسب ہے۔ لہٰذا عقد صحیح ہوگا۔

جب مرہون چیز یا کفیل معین نہ ہو یا کفیل اس مجلس میں موجود ہی نہ ہو یہاں تک کہ عاقدین مجلس سے جدا ہو جائیں تو مرہون اور مجلس کے مجہول ہونے کی بناء پر کفالت و رہن کا معنی باقی نہ رہا۔ صرف ذاتِ شرط کا اعتبار باقی رہ گیا (یعنی عقد کے استحکام اور پختگی والا معنی حاصل نہ ہو سکا) لہٰذا (شرط کی بناء پر) عقد فاسد ہو جائے گا۔

اگر کفیل عقد کے وقت موجود نہ ہو لیکن مجلسِ عقد کے برخواست ہونے سے پہلے آجائے اور کفالت کی ذمہ داری قبول کر لے تو عقد درست ہوگا۔ اگر مشتری رہن کی شرط تسلیم کرنے کے بعد رہن کے سپرد کرنے سے رک جائے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ شرط کردہ چیز ضرور رہن رکھے

کیونکہ رہن رکھنا عقدِ بیع کے بنیادی لوازمات میں سے نہیں)
امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کو رہن رکھنے پر مجبور کیا جائے گا۔
کیونکہ جب بیع کا عقد کرتے ہوئے رہن بطور شرط قرار دیا گیا تو اب یہ بیع
کے من جملہ حقوق سے ایک حق ہوگا جیسے کہ رہن میں شرط کردہ وکالت
مشروط ہوتی ہے (جب عقدِ رہن میں راہن ایک عادل شخص یا خود مرتہن
کو وکیل مقرر کردے کہ اس میں میعادِ مقررہ پر قرض کی ادائیگی نہ کروں تو
وکیل مرہون چیز کو فروخت کرکے قرضے کی ادائیگی کردے۔ اس صورت
میں وکالت لازم ہوجاتی ہے یعنی راہن اسے معزول نہیں کرسکتا۔ کفایہ)
لہٰذا یہ رہن بھی بیع کے لزوم اور ثبوت کے ساتھ لازم ہوجائے گا۔
اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ رہن تو راہن کی طرف سے ایک
قسم کا عقدِ تبرّع واحسان ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور
تبرّعات کے سلسلے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا البتہ بائع کو اختیار دیا
جائے گا کہ اگر چاہے تو ترکِ رہن پر رضامند ہوجائے اور چاہے تو
بیع کو فسخ کردے کیونکہ مرہون سے استحکام و پختگی کا حصول ایک مرغوب
وصف ہے۔ اور بائع اس بیع پر رہن کی شرط کے ساتھ ہی رضامند ہوا
تھا لہٰذا بائع کو اس مرغوب وصف کے فوت ہونے کی صورت میں
اختیار دیا جائے گا۔ البتہ اگر مشتری طے کردہ ثمن اسی وقت ادا کردے
تو بائع کو (فسخ بیع کا) اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ رہن کا اصل مقصد حاصل
ہوگیا۔ یا معیّن مرہون کی قیمت بطور رہن دے دے کیونکہ اس صورت

میں بھی استیفاءِ حق کا قبضہ معنوی اور حقیقی طور پر ثابت ہو گیا ہے یعنی سے مراد قیمت ہے (یعنی مرہون کی قیمت مرہون کے قائم مقام ہو گی)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا۔ ایک شخص نے دراہم کے عوض کپڑا خریدا اور بائع سے کہا کہ تم یہ کپڑا اپنے پاس رکھ لو یہاں تک کہ میں اس کی قیمت ادا کر دوں تو یہ کپڑا رہن شمار ہو گا۔ کیونکہ مشتری نے ایک ایسی چیز بیان کی جو رہن کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور وہ خرید کردہ چیز کا ادائیگی کے وقت تک روک لینا ہے۔ اس قسم کے عقود و معاملات میں معانی کا اعتبار ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اصیل یعنی مدیون کی براءۃ کے ساتھ جو کفالت مشروط ہو وہ حوالہ بن جاتی ہے۔ اور جس حوالہ میں اس کی ضد ہو یعنی اصیل کی براءۃ شرط نہ ہو تو وہ کفالت ہوتی ہے۔

امام زفرؒ نے فرمایا کہ مذکورہ کپڑا رہن نہ ہو گا۔ یہی قول امام ابو یوسفؒ سے بھی مروی ہے۔ کیونکہ مشتری کا یہ کہنا اَمسِکۡ یعنی روک لے دو احتمال رکھتا ہے یعنی اس میں رہن کا پہلو بھی ہے اور امانت کا پہلو بھی ہے۔ اور دوسرا احتمال یعنی امانت ہونے کا ان دونوں میں کمتر درجے کا ہے (کیونکہ امانت مضمون نہیں ہوتی اور مرہون مضمون ہوتا ہے) تو اسی کے ثابت ہونے کا حکم دیا جائے گا (کیونکہ جب ایک امر دو باتوں کے درمیان دائر ہو تو ان میں کمتر یقینی ہوتا ہے۔ چونکہ زیر بحث صورت میں رہن اور امانت دونوں کا احتمال ہے لیکن امانت درجہ میں رہن سے کمتر ہے۔ لہٰذا امانت کا ہونا یقینی ہو گا) بخلاف اس کے اگر مشتری

یوں کہے اَمْسِکْهُ بِدَیْنِكَ اَوْ بِمَالِكَ. یعنی تو اسے اپنے قرض یا مال کے بدلے روک لے تو بالاجماع اس کا یہ قول رہن قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ جب اس نے کپڑے کو قرض یا مال کے مقابلے میں بیان کیا تو رہن ہونے کی جہت متعین ہوگئی۔

امام زفرؒ اور امام ابویوسفؒ کے استدلال کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ (کہ اس کے بغیر بھی رہن کی جہت متعین ہے) کیونکہ جب مشتری نے امساکِ ثوب کو قیمت کی ادائیگی کی مدت تک ممتد کر دیا تو معلوم ہوگیا کہ اس کی مراد رہن ہی ہے۔ (امانت نہیں کیونکہ امانت کی حفاظت ادائیگیِ قرض پر موقوف نہیں ہوا کرتی)

دو چیزوں کے یا دو شخصوں کے پاس رہن رکھنے کے بیان میں

مسئلہ: اگر کسی شخص نے ہزار درہم کے عوض دو غلام رہن رکھے۔ ایک غلام کے حصے کا قرض ادا کر دیا تو راہن جب تک باقی قرض بھی ادا نہ کرے اسے اس غلام کو قبضہ میں لینے کا اختیار نہ ہوگا (اگر کہا جائے کہ ان غلاموں میں سے ایک کا حصہ کیسے معلوم ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ) ان دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ وہ ہے جو اس کے مقابلہ میں مخصوص ہے جب کہ قرض ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے (مثلاً ایک غلام کی قیمت چھ سو اور دوسرے کی چار سو مقرر کی گئی تو ہر ایک کا حصہ اپنی قیمت کے مطابق ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے کہ مرہون (یعنی دونوں غلام) پورے قرض کے مقابلے میں محبوس ہیں لہٰذا مرہون کے تمام اجزاء قرض کے تمام اجزاء کے ساتھ محبوس ہوں گے تاکہ قرض کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لیے یہ چیز مبالغہ کا باعث ہو (اور اگر ایک غلام کو واپس دے دیا تو شائد مقروض باقی قرض کی ادائیگی میں سستی کرنے لگے) یہ صورت ایسے ہوگی جیسے کہ مبیع بائع کے پاس محبوس ہو (یعنی جب

مشتری کچھ قیمت نقدادا کردے اور چاہے کہ مبیع کا کچھ حصہ وصول کرلے تو اسے یہ حق نہیں ہوتا۔ بلکہ پوری قیمت دے کر مبیع لے سکتا ہے)

پس اگر راہن نے اشیاء رہن میں سے ہر معین چیز کے مقابلے میں اس مال سے وہ حصہ بیان کردیا جس کے عوض رہن ہے تو اس میں روایت مبسوط کے مطابق یہی حکم ہے۔ (مثلاً دو غلام رہن رکھتے وقت بہ بتادیا کہ یہ غلام چھ سو کے عوض رہن ہے اور یہ دوسرا چار سو کے عوض۔ پھر اگر راہن چھ سو درہم ادا کرنے کے بعد کہے کہ وہ غلام دے دو جو چھ سو درہم کے عوض رہن تھا تو مبسوط کی روایت کے مطابق اس غلام کا لینا جائز نہ ہوگا۔ کفایہ)

زیادات میں مذکور ہے کہ اگر راہن مال کی وہ مقدار ادا کردے جو اس کے مقابلے میں بیان کی تھی تو اسے واپس لینے کا اختیار ہوگا۔

مبسوط کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ عقد رہن متحد اور واحد عقد ہوتا ہے وہ ہر ایک کے مقابلہ میں مال بیان کرنے سے متفرق نہ ہوگا (بلکہ متحد ہی رہے گا) جیساکہ بیع میں ہوتا ہے (کہ جب سودا متحد اور واحد ہو تو ہر ایک کی الگ قیمت بیان کرنے سے ایک پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ پورا ثمن ادا کرنے پر مبیع پر قبضہ کیا جائے گا)

دوسری یعنی زیادات کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ عقد کو متحد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ دو عقدوں میں سے ایک عقد دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر مرتہن ایک ہی غلام میں رہن قبول کرلے تو جائز ہے (اگر تصریح و بیان سے عقد میں تفریق نہ ہوسکتی۔ تو اسے

صرف ایک غلام قبول کرنے کا اختیار نہ ہوتا بلکہ یا تو دونوں قبول کرتا یا راہن کو رد کر دیتا)۔

مسئلہ:- امام قدوری نے فرمایا۔ اگر ایک معین چیز دو شخصوں کے پاس رہن رکھے ایسے قرض کے عوض جو ان دونوں کا راہن پر واجب ہے تو جائز ہوگا۔ اور مرہون چیز ساری کی ساری ان میں سے ہر ایک کے پاس رہن شمار کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رہن کی نسبت پورے مالِ عین کی طرف ایک ہی سودے میں واقع ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شیوع نہیں اور رہن کا تقاضا یہ ہے کہ مرہون قرض کے عوض محبوس ہو جائے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جو تجزّی اور تقسیم کو قبول نہیں کرتی تو مرہون ان دونوں میں سے ہر ایک کے عوض میں محبوس ہوگا۔

اور یہ حکم اس ہبہ کے خلاف ہے جو دو شخصوں کو دیا جائے ایسا ہبہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں (کیونکہ موہوب چیز موہوب لہٗ کی ملکیت میں آجاتی ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز مکمل طور پر دونوں کی ملکیت ہو اور ان میں سے ہر شخص اس کا کامل طور پر مالک ہو)

پس اگر دونوں نے باری مقرر کر لی تو دونوں میں ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کے حق میں عادل کی طرح ہوگا (جیسے راہن و مرتہن دونوں کی باہمی رضامندی سے مرہون کو کسی معتمد علیہ اور ثقہ شخص کے قبضہ میں دے دیں کہ ادائے قرض تک مرہون تمہاری نگرانی میں رہے گا تو عادل کے قبضہ کے باوجود مرتہن کے پاس رہن صحیح ہوگا۔ گویا کہ عادل کا قبضہ مرتہن کا قبضہ

ہے) اور مرہون میں سے ہر ایک کے ذمہ اسی قدر قابلِ ضمان ہوگا جس قدر اس کا قرضہ ہے کیونکہ مرہون کے تلف ہونے کی صورت میں ہر ایک اپنے حصۂ قرض کو وصول پانے والا ہوگا۔ اور استیفاء یعنی حق کی وصولی ایسی چیز ہے جو قابلِ انقسام و تجزّی ہے۔

امام قدوریؒ نے فرمایا اگر راہن ایک مرتہن کو اس کے حصے کا قرض ادا کر دے تو پورا مرہون دوسرے مرتہن کے پاس رہن ہوگا۔ کیونکہ بغیر کسی تفریق کے پورا مرہون ہر ایک کے پاس رہن ہے۔ اور اسی حکم پر مبیع کو روکنے کا حکم بھی محمول ہے جبکہ دو خریداروں میں سے ایک اپنے حصے کی قیمت ادا کر دے (تو بائع دوسرے خریدار کے قیمت ادا کرنے تک مبیع کو روک سکتا ہے)۔

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ اگر دو شخصوں نے ایک آدمی کے پاس اس قرض کے عوض جوان دونوں پر ہے ایک ہی چیز رہن رکھی تو جائز ہوگا۔ مرہون مجموعۂ قرض کے عوض رہن رہے گا۔ مرتہن کو یہ اختیار ہوگا کہ جب تک اسے پورے قرض کی وصولی نہ ہو وہ مرہون کو روکے رکھے۔ کیونکہ رہن کا قبضہ کل قرض کے عوض حاصل ہوا ہے بغیر کسی قسم کے شیوع اور شرکت کے (یعنی مرہون ہر ایک کی طرف سے علیحدہ طور پر رہن نہیں بلکہ کل قرضہ کے عوض مجموعی طور پر رہن ہے)

جامع صغیر میں ہے اگر دو شخصوں میں سے ہر ایک نے ایک تیسرے شخص پر گواہ قائم کیے کہ اس تیسرے شخص نے اپنا یہ غلام جو اس کے قبضہ میں ہے میرے پاس بطور رہن رکھا تھا اور میں نے اس پر قبضہ بھی

کر لیا تھا تو ہر ایک کا دعویٰ باطل ہے۔ (یہ بات نہیں کہ غلام دونوں کے پاس مشترکہ طور پر رہن رکھا گیا تھا) کیونکہ دونوں دعویٰ کرنے والوں میں سے ہر ایک نے اپنے گواہوں کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اس شخص نے پورا غلام میرے پاس رہن رکھا تھا۔ اور قاضی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہر مدعی کے لیے پورے غلام کا فیصلہ کرے (کہ ہر ایک کے پاس پورا غلام مرہون تھا) کیونکہ یہ بات محالات سے ہے کہ ایک ہی غلام ایک ہی حالت میں پورے طور پر اس مدعی کے پاس بھی مرہون ہوا اور دوسرے مدعی کے پاس بھی مرہون ہو۔ اور قاضی کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ پورے غلام کا کسی ایک معین مدعی کے لیے فیصلہ کردے کیونکہ اس ایک کے لیے کوئی وجہ ترجیح موجود نہیں۔ (دونوں کی گواہیاں ایک ہی درجہ کی ہیں) اور قاضی کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے نصف غلام کے رہن کا فیصلہ کرے۔ کیونکہ اس فیصلے سے شیوع تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ لہٰذا ان حالات کے مدنظر دونوں کی گواہیوں پر عمل کرنا ممکن نہ رہا تو دونوں گواہیوں کا ساقط ہونا متعین ہو گیا۔

اس سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غلام دونوں کے لیے مجموعی طور پر مرہون ہو گویا دونوں نے ایک ساتھ ہی اس کو بطور رہن لیا تھا جب کہ ان دونوں کے عقدِ رہن کی صحیح تاریخ بھی معلوم نہیں۔ امام محمدؒ نے کتاب الشہادات میں اسی کو استحسان کی دلیل قرار دیا ہے (یعنی استحسان کے مدِنظر رہن جائز قرار دیا کہ جب دونوں کے عقدِ رہن کی صحیح تاریخ کا علم نہیں

تو کہا جائے گا کہ دونوں نے مشاع رہن لیا۔ اس لیے استحساناً رہن کو جائز قرار دیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس طرح نہیں کہا جا سکتا) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ غلام کو دونوں کے لیے رہن قرار دینا مقتضاءِ حجت کے خلاف عمل کرنے کے مترادف ہے (یعنی ایسا فیصلہ ہر ایک کی پیش کردہ شہادت کے مقتضی کے خلاف ہے) کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی گواہی سے ایسے حبس کو ثابت کیا ہے جو اس پورے غلام سے اس کے حق کی وصولی کا وسیلہ ہو (یعنی اس حبس کے ذریعہ وہ عوام سے اپنا مکمل حق وصول کرے) اور استحسان کے مدنظر فیصلہ کرنے سے ایسا حبس ثابت ہو گا جو استیفاء اور حق کی وصولی کے لیے نصف جزو کی طرف وسیلہ ہے (کیونکہ جب ہر ایک کے پاس نصف غلام رہن ہوگا تو اسے اپنا نصف حق وصول ہوگا) اور یہ صورت حجت کے موافق عمل کرنے کی صورت نہیں ہے۔ اور جو کام ہم نے ذکر کیا ہے اگرچہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ لیکن امام محمدؒ نے اسی کو قوتِ دلیل کے مدنظر مبسوط میں اختیار فرمایا (یعنی استحسان کو عموماً قیاس کے مقابلے میں اختیار کیا جاتا ہے لیکن اس صورت میں استحسان کی جہت ضعیف ہے اور قیاس کی جہت قوی ہے۔ کیونکہ شہادت کے مقتضا کے خلاف عمل کرنا لازم آتا ہے)

جب دونوں مدعیوں کا رہن کا دعویٰ باطل قرار پایا (تو رہن کی بجائے امانت کا حکم ہوگا) اور اگر غلام ہلاک ہو گیا تو امانت ہونے کی حیثیت سے ہلاک ہو گا رہن ہونے کی حیثیت سے ہلاک نہ ہو گا۔

کیونکہ باطل چیز کے لیے حکم نہیں ہوا کرتا۔

مسئلہ :- امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا۔ اگر راہن وفات پا گیا اور غلام دونوں مرتہنوں کے قبضہ میں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ قائم کیے جس طرح ہم نے مذکورہ سطور میں بیان کیا ہے (یعنی ان میں سے ہر ایک نے اس امر پر گواہ پیش کیے کہ راہن نے پورا غلام بطور میرے قبضہ میں دیا تھا) تو مرہون ان دونوں میں سے ہر ایک کے قبضہ میں نصف بطور رہن ہوگا۔ اور اس کو اپنے حق کی بناء پر فروخت کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ استحسان کے مدنظر ہے۔ یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے لیکن قیاس کے مدنظر یہ حکم باطل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اس لیے کہ عقدِ رہن کا اصلی حکم اور مقصد یہی ہے کہ حق کی وصولی کے لیے مرہون کو محبوس کیا جائے تو حقِ حبس کا فیصلہ عقدِ رہن کے درست ہونے کا فیصلہ ہے۔ حالانکہ عقدِ رہن شیوع کی بناء پر باطل ہے جیسے راہن کی زندگی کی صورت میں بطلان کا حکم دیا گیا تھا۔

استحسان کی وجہ (جس کو طرفینؒ نے اختیار کیا) یہ ہے کہ عقد اپنی ذات کے لحاظ سے مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف حکم کے لیے مقصود ہوتا ہے (اگر عقد پر کوئی ثمرہ مترتب نہ ہو تو بے کار ہوگا۔ مثلاً بیع میں ایجاب و قبول سے اگر مبیع میں مشتری کا حق اور ثمن میں بائع کا حق ثابت نہ ہو تو ایجاب و قبول لغو ہوگا) رہن کا حکم زندگی کی حالت میں یہ تھا کہ مرہون مرتہن کے ہاں محبوس رہے اور ایسے حبس کے لیے شیوع میں شرکت مضر ہے۔ (کیونکہ مشترک

چیز کسی ایک کے پاس دائماً محبوس نہیں رہ سکتی) اور راہن کی موت کے بعد
یہ حکم کہ مرہون کو قرضہ میں فروخت کر کے قرض وصول کر لیا جائے اور شرکت
اس مقصد کے لیے مضر نہیں۔ اور یہ صورت ایسے ہی ہوگی جیسے دو مردوں
نے ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا۔ (اور اپنے دعویٰ کو گواہوں سے ثابت
کیا۔ تاریخ نکاح مجہول ہے) یا دو سگی بہنوں نے ایک مرد پر نکاح کا دعویٰ
کیا اور ہر مدعیہ نے اپنے اپنے گواہ قائم کیے (لیکن تاریخ نکاح مجہول ہے اور
کوئی دیگر وجہ ترجیح موجود نہیں) تو زندگی کی حالت میں یہ گواہیاں ساقط اور
اور باطل ہوں گی (کیونکہ حکم قضاءً ممکن نہیں) لیکن مدعیٰ علیہ کی موت کے بعد
ان گواہوں کی بناء پر میراث کا فیصلہ کیا جائے گا (یعنی میراث دونوں مدعیوں
کے درمیان مشترک قرار پائے گی) کیونکہ میراث ایسی چیز ہے جو انقسام
وتجزّی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی مثال کے پیش زیر بحث
زیر بحث مسئلہ میں راہن کی زندگی کی حالت میں گواہیاں ساقط ہوں گی۔
لیکن راہن کی موت کے بعد ان گواہیوں کا ثمرہ مترتّب ہوگا۔ کیونکہ استیفاء
قابلِ انقسام ہوتا ہے۔ اور دونوں میں نصف نصف کا فیصلہ درست
ہوگا۔ اسی استحسان کے مدنظر طرفینؒ نے استحسانی قول کو اختیار کیا۔
سراج الہدایہ)

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

بَابُ الرَّهْنِ الَّذِی یُوْضَعُ عَلٰی یَدِ الْعَدْلِ

(ایسے مرہون کے بیان میں جو کسی عادل کے قبضہ میں رکھا جائے)

مسئلہ: امام قدوریؒ نے فرمایا۔ جب راہن اور مرتہن باہمی رضامندی سے اس امر پر اتفاق کر لیں کہ وہ مرہون چیز کو کسی عادل و قابلِ اعتماد شخص کی نگرانی میں دے دیں تو جائز ہے۔ امام مالکؒ عدم جواز کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کا یہ قول بعض نسخوں میں مذکور ہے (یعنی یا تو قدوری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے (یعنی یا تو قدوری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے یا کتب سلف کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔ مبسوط اور شرح الاقطع میں امام مالکؒ کی بجائے ابن ابی لیلیٰ کا نام مذکور ہے۔ عینی شرح ہدایہ) کیونکہ عادل کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔ اسی لیے مرہون چیز کے تلف ہونے کے بعد اگر اس پر کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو عادل ادا کردہ قیمت کے سلسلے میں راہن سے رجوع کرے گا (نہ کہ مرتہن سے) تو اس صورت میں مرتہن کا قبضہ معدوم ہوا (اور جب مرتہن کا قبضہ ہی ثابت نہ ہوا تو رہن کیسے صحیح ہو گا)

ہماری دلیل یہ ہے کہ عادل کا قبضہ حفاظت کے معاملے میں ظاہر کے اعتبار سے مالک کا قبضہ ہے کیونکہ مال عین اس کے پاس بطور امانت ہے اور مالیت کے حق کے مد نظر مرتہن کا قبضہ ہے کیونکہ اس کا قبضہ ضمانتی قبضہ ہے اور جو چیز مضمون ہے وہ مرہون کی مالیت ہے۔ لہٰذا اس عادل شخص کو دو شخصوں کے قائم مقام قرار دیا جائے گا تاکہ وہ مقصد متحقق اور برقرار رہے جس کا راہن و مرتہن نے ارادہ کیا ہے (یعنی عادل راہن کی طرف سے بطور محافظ اور مرتہن کی طرف سے ضمانتی ہو گا) آپ کا یہ استدلال کہ استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں راہن سے رجوع کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عادل مال معین کی حفاظت کے سلسلے میں مالک کا نائب اور اس کا قائم مقام ہے۔ جیسے کہ وہ شخص جس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی ہو (ایک شخص کے پاس مال بطور امانت رکھا گیا۔ مال تلف ہو گیا۔ بعد ازاں اس مال پر کسی کا استحقاق ثابت ہو گیا۔ امین نے مال کی قیمت ادا کر دی تو وہ اصل مالک سے رجوع کرنے کا حق دار ہو گا)۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ نہ تو مرتہن کو اختیار رہے گا اور نہ راہن کو کہ وہ مال مرہون کو عادل سے واپس لے کیونکہ مرہون چیز کے عادل کے قبضہ میں بغرض حفاظت اور امانت میں رہنے کی بنا پر راہن کا حق مرہون کے ساتھ متعلق ہے اور استیفاء کے لحاظ سے مرتہن کا حق بھی اسی سے متعلق ہے لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کا حق باطل کرنے کا اختیار

نہ ہوگا۔ اگر مرہون عادل کے ہاں تلف ہوگیا تو اس کا تلف ہونا مرتہن کی ضمانت میں ہوگا۔ کیونکہ مالیت کے حق میں عادل کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہے اور وہ ضمانتی قبضہ ہے (اسی طرح عادل کا قبضہ بھی ضمانتی ہوگا یعنی مرہون اپنی قیمت و قرضہ میں سے کم کے عوض مضمون ہے)

اگر عادل نے مرہون چیز راہن یا مرتہن کو دے دی تو تلف کی صورت میں وہ قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ عین مرہون کے معاملے میں عادل راہن کا امین ہے اور مالیت کے سلسلے میں مرتہن کا امین ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہے۔ امین اگر مالِ ودیعت کسی اجنبی کو دے دے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔

جب عادل نے مرہون چیز راہن یا مرتہن میں سے کسی کو دے دی مرہون چیز راہن یا مرتہن نے تلف کر دی یا خود بخود تلف ہوگئی اور عادل نے مرہون کی قیمت کا تاوان ادا کر دیا یا خود عادل کے قبضہ میں مرہون چیز تلف ہوگئی تو اس صورت میں عادل کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ قیمت کو بطور رہن اپنے قبضہ میں رکھے کیونکہ اس صورت میں عادل ادا کرنے والا بھی اور وصول کرنے والا بھی ہوگا حالیکہ ان دونوں میں منافات ہے (کیونکہ ادا کنندہ بعینہٖ وصول کنندہ نہیں ہو سکتا) البتہ اگر راہن اور مرتہن باہمی اتفاق سے عادل سے قیمت وصول کر لیں۔ پھر اس قیمت کو اسی کے پاس یا کسی دوسرے کے پاس رہن رکھ دیں تو جائز ہے۔ اگر ان کا باہمی اتفاق متعذر ہو تو ان میں سے ایک یعنی راہن و مرتہن سے جو بھی موجود ہو اس معاملہ کو قاضی

کے سامنے پیش کرے تاکہ قاضی ایسا کردے (یعنی عادل یا کسی دوسرے شخص کے پاس رہن رکھ دے) اگر قاضی نے ایسا کر دیا پھر راہن نے قرض ادا کر دیا درآنحالیکہ عادل نے قیمت کا تاوان ادا کر دیا تھا مال مرہون راہن کو دے دینے کی وجہ سے تو یہ قیمت عادل کے لیے سالم و محفوظ ہوگی کیونکہ مال مرہون راہن کو وصول ہو چکا ہے اور قرضہ مرتہن کو وصول ہو چکا ہے پس ایک ہی شخص کی ملک میں بدل او رمبدل جمع نہ ہوں گے (کیونکہ اگر یہ قیمت بھی راہن کو دے دی جائے حالیکہ وہ مرہون کو پہلے ہی حاصل کر چکا ہے تو ایک ہی شخص کی ملکیت میں بدل اور مبدل کا اجتماع لازم آتا ہے جو باطل ہے)

اگر صورتِ حال ایسی ہو کہ عادل مرتہن کو دینے کی بناء پر قیمت کا ضامن بنا تو راہن قرضہ ادا کر کے عادل سے یہ قیمت لے گا کیونکہ عین مرہون اگر عادل کے قبضہ میں موجود و قائم ہوتا تو راہن اسے لے لیتا جب کہ قرضہ کی ادائیگی کر دیتا اسی طرح اس چیز کو بھی لے لے گا جو مرہون کے قائم مقام ہے یعنی قیمت۔ اور ایسا کرنے میں بدل اور مبدل کے درمیان اجتماع بھی لازم نہیں آتا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ جب راہن مرتہن کو یا عادل کو یا اور شخص کو ادائے قرض کی میعاد آنے پر مرہون کی فروخت کے لیے وکیل مقرر کیا تو یہ وکالت جائز ہوگی کیونکہ یہ اپنے مال کی فروخت کے لیے وکالت ہے۔ اگر وکالت کی عقدِ رہن میں شرط عائد کی جائے تو راہن

کو وکیل کے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اگر اس نے معزول کیا تو بھی معزول نہ ہوگا۔ کیونکہ جب وکالت عقدِ رہن کے ضمن میں مشروط کر دی گئی تو وہ رہن کے من جملہ اوصاف سے ایک وصف ہوگی اور اس کے من جملہ حقوق سے ایک حق ہوگی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وکالت کا مقصد استحکام میں اضافہ کرنا ہوتا ہے تو اصل یعنی رہن کے لازم ہونے کی صورت میں یہ بھی لازم ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ وکالت سے مرتہن کا حق متعلق ہو چکا ہے اور اس کے معزول کرنے میں مرتہن کی حق تلفی ہوتی ہے تو مرہون چیز کی بیع کا وکیل اس وکیل بالخصومۃ کی طرح ہوگا جو وکیل کی طلب اور درخواست پر مقرر کیا گیا ہو (یعنی اگر مدعی کی درخواست پر مدعیٰ علیہ نے قاضی کی عدالت میں جواب دینے کے لیے وکیل مقرر کیا تو مدعی کو اطلاع دیے بغیر مدعا علیہ اس کو معزول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس سے مدعی کا حق متعلق ہو چکا ہے)۔

اگر راہن نے مرتہن یا عادل یا کسی دوسرے شخص کو فروخت کے لیے مطلقاً وکیل کیا (کہ جس طرح چاہے فروخت کرے) حتیٰ کہ وکیل کو نقد یا ادھار ہر طرح سے فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا پھر راہن نے اُسے اُدھار پر فروخت کرنے سے روک دیا تو اس کی ممانعت کارگر نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ وکالت اپنی اصل کے لحاظ سے لازم ہے تو اسی طرح یہ اپنے وصف یعنی اطلاق کے اعتبار سے بھی لازم ہوگی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ (کہ جب

ایک عقد اصل کے لحاظ سے ثابت ہو تو وہ وصف کے لحاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے)۔

اسی طرح مرتہن کے معزول کرنے سے بھی یہ وکیل معزول نہ ہوگا۔ کیونکہ مرتہن نے اسے وکیل مقرر نہیں کیا۔ بلکہ اس کو وکیل بنانے والا کوئی دوسرا شخص ہے (یعنی راہن نے اسے وکیل مقرر کیا ہے لہٰذا مرتہن اسے معزول نہیں کر سکتا)۔

اگر راہن مر گیا تو یہ وکیل معزول نہ ہوگا۔ کیونکہ رہن راہن کی موت سے باطل نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ وکالت باطل بھی ہوئی تو ورثاء کے حق کی وجہ سے ہوگی۔ (تاکہ وہ وراثت کو تقسیم کر سکیں) لیکن مرتہن کا حق ورثاء کے حق پر فوقیت رکھتا ہے۔ (یعنی قرضہ کی ادائیگی تقسیم وراثت پر مقدم ہوتی ہے)

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا وکیل کو اختیار ہے کہ مالِ مرہون کو ورثاء کی موجودگی کے بغیر بھی فروخت کر سکے۔ جس طرح وکیل راہن کی زندگی میں اس کی موجودگی کے بغیر فروخت کر سکتا ہے۔ اگر مرتہن وفات پا جائے تو بھی وکیل اپنی وکالت پر برقرار رہے گا۔ کیونکہ عقد رہن نہ تو دونوں کی موت سے باطل ہوتا ہے اور نہ کسی ایک کی موت سے بلکہ عقد اپنے حقوق و اوصاف کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

اگر وکیل وفات پا جائے تو وکالت ختم ہو جائے گی۔ نہ تو اس کا کوئی وارث اس کے قائم مقام ہوگا اور نہ وصی۔ کیونکہ وکالت میں وراثت

جاری نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ موکل اس وکیل کے خیالات اور رائے سے تو متفق تھا کسی دوسرے کی رائے پر راضی نہ تھا۔

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ وکیل کے وصی کو مرہون کی فروخت کا اختیار ہوتا ہے۔ کیونکہ عقدِ وکالت ایک لازمی عقد ہے لہٰذا وصی کو بھی یہ اختیار ہوگا جیسا کہ مضارب اگر ایسے وقت مرجائے جب کہ رأس المال نقد خرید و فروخت کی وجہ سے اموالِ اعیان ہوگیا ہو تو مضارب کے وصی کو ان اعیان کے فروخت کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ کیونکہ رأس المال کے اعیان بن جانے کے بعد مضاربت لازم ہو جاتی ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بے شک توکیل ایک لازمی حق ہے لیکن یہ اسی شخص کے لیے لازم تھی جو وکیل تھا (اور مرگیا) اور وراثت اس چیز میں جاری ہوتی ہے جو کہ اس کی ملکیت میں ہو (اس چیز میں نہیں جو اس پر لازم ہو) بخلاف مضاربت کے (کہ اس میں وصی کو اختیار ہوتا ہے) کیونکہ مضاربت مضارب کے لیے ایک ثابت شدہ حق ہوتا ہے (اسی لیے مضارب کی موت کے بعد اس کے وصی کو اختیار ہوتا ہے اور حقِ وکالت تو ایک لازم ہونے والا حق ہے اس لیے وکیل کی موت سے توکیل باطل ہو جاتی ہے)۔

مسئلہ: مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ راہن کی اجازت و رضامندی کے بغیر مرہون کو فروخت کر سکے۔ کیونکہ مرہون چیز راہن کی ملکیت ہوتی ہے اور وہ بیع پر رضامند نہیں (ورنہ مرتہن کے پاس محبوس کیوں کرتا)

اور راہن کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ ادائے قرض سے پہلے مرتہن کی رضامندی کے بغیر مرہون کو فروخت کر سکے۔ کیونکہ مرتہن مرہون کی مالیت کا بہ نسبت راہن کے زیادہ مستحق ہے۔ تو راہن کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ فروخت کی وجہ سے مبیع مشتری کے سپرد کر دے۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر قرض کی میعاد پوری ہوگئی اور اس وکیل نے جس کے قبضہ میں مرہون ہے مرہون کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور راہن بھی موجود نہیں تو وکیل کو فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ان دو دلیلوں کی بناء پر جو ہم نے وکالت کے لازم ہونے کے سلسلے میں بیان کی ہیں (کہ وکالت جب عقد رہن میں مشروط ہو تو اس نے من جملہ اوصاف سے یہ بھی ایک وصف ہوگی۔ دوسری یہ کہ مرہون سے مرتہن کا حق متعلق ہو چکا ہے اور عزل وکیل کی صورت میں مرتہن کی حق تلفی ہے)

اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے کو خصومت کے لیے وکیل مقرر کیا اور مؤکل کہیں چلا گیا وکیل نے خصومت اور جوابدہی سے انکار کر دیا تو وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔ دوسری دلیل کی بناء پر جو لزوم وکالت رہن میں بیان کی گئی ہے کہ اس کے انکار سے حق تلفی لازم آتی ہے بخلاف وکیل بالبیع کے (کہ اگر وہ فروخت سے انکار کر دے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ خود مؤکل اسے خود فروخت کر سکتا ہے اس لیے اس کا حق تلف نہ ہوگا۔ لیکن مدعی کی صورت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ

مدعی دعویٰ پر قادر نہیں ہوتا (جب کہ مدعیٰ علیہ یا اس کا وکیل حاضر نہ ہو) اور مرتہن مرہون کو از خود فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا (کیونکہ راہن نے اسے بیع کرنے کا اختیار نہیں دیا)

اگر توکیل عقدِ رہن میں مشروط نہ ہو بلکہ عقدِ رہن کی تکمیل کے بعد مشروط کی گئی۔ کہا گیا کہ وکیل کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ دلیل اول کی بناپر (کہ وکالت عقدِ رہن کے لازمی حقوق سے نہیں جب کہ عقد میں مشروط نہ ہو۔ زیر بحث وکالت عقد میں مشروط نہ تھی۔ بلکہ بعد میں شرط کی گئی لہٰذا اس شرط کو معدوم قرار دیا جائے گا) بعض حضرات نے کہا کہ دلیل ثانی کو مدنظر رکھتے ہوئے وکیل کو مجبور کیا جاسکتا ہے (کہ مرہون سے مرتہن کا حق متعلق ہو چکا ہے اور وکیل کا فروخت سے انکار کرنا مرتہن کی حق تلفی کے مترادف ہے) یہی قول صحیح تر ہے۔

نوادر میں امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہوگا (یعنی وکالتِ عقد میں مشروط ہو یا نہ دونوں صورتوں میں وکیل کو مجبور کیا جائے گا) جامع صغیر اور مبسوط میں بیان کردہ مطلق حکم سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے (یعنی دونوں کتابوں میں وکیل کے مجبور کرنے کا حکم موجود ہے ساتھ شرط یا عدم شرط کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی)۔

جب عادل شخص رہن کو فروخت کردے تو مرہون رہن ہونے سے خارج ہو گیا اور ثمن مرہون کے قائم مقام ہوگا۔ اور یہ قیمت عادل کے پاس بطور رہن رہے گی۔ اگر چہ تاحال ثمن وصول نہ ہوا ہو کیونکہ یہ قیمت

مرہون مقبوض کے قائم مقام ہے۔ اگر یہ قیمت تلف ہو جائے (خواہ عادل
کے پاس یا مرتہن کے پاس) تو اسے مرتہن کے مال سے ضائع ہونا قرار دیا
جائے گا کیونکہ ثمن میں عقدِ رہن قائم و موجود تھا بیع مرہون کے قائم مقام
ہونے کی وجہ سے۔

اگر غلام مرہون کو خطأً قتل کر دیا گیا اور قاتل نے اس کی قیمت بطور تاوان
ادا کر دی تو اس تاوان کا بھی وہی حکم ہے جو ثمن کے بارے میں بیان کیا گیا
ہے کیونکہ رہن کا مالک غلام کی مالیت کے لحاظ سے اس تاوان کا مستحق
ہے۔ اگرچہ وہ خون کا عوض ہے۔ اس لیے اس تاوان کے لیے راہن مستحق کے
حق میں ضمانِ مال کا حکم ہو گا لہٰذا عقدِ رہن باقی رہا (یعنی غلام کا خون اگرچہ
راہن کی ملک نہیں اور نہ وہ خون مرہون ہے اور قاتل نے جو تاوان ادا کیا
ہے وہ خون ہی کا عوض ہے لیکن راہن اس کا مستحق اس جہت سے ہو گا
کہ غلام اس کا مملوک تھا۔ پس یہ تاوان راہن کے حق میں گویا مال کا تاوان
ہے۔ اور جو حکم دیگر مالی تاوانوں کا ہوتا ہے وہ حکم اس کے خون کے
عوض کا بھی ہو گا۔ عینی الہدایہ)

اسی طرح اگر مرہ [illegible] ایک غلام نے قتل کر دیا اور قاتل غلام
مقتول غلام کے عوض میں مالک کو دے دیا گیا۔ تو اس قاتل غلام کو مرہون
شمار کیا جائے گا کیونکہ یہ قاتل غلام اپنے گوشت پوست اور خون کے اعتبار
سے مقتول غلام کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر عادل شخص نے مرہون

کو فروخت کر دیا۔ اور مرتہن نے اپنے قرض میں اس کی قیمت وصول کرلی۔
بعدازاں اس مرہون کا کوئی حق دار نکل آیا اور عادل نے اس کا ضمان ادا
کر دیا تو عادل کو اختیار ہو گا اگر چاہے تو راہن کو اس کی قیمت کا ضامن
بنائے اور اگر چاہے تو مرتہن سے وہ ثمن ضمان کے طور پر واپس لے لے
جو اس نے مرتہن کو دیا تھا۔

جامع صغیر کے اس مسئلے کی توضیح یہ ہے کہ مرہون مبیع کا جب کوئی
دوسرا حقدار نکل آیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ مبیع تلف ہو چکا ہے یا موجود
ہے۔ پس پہلی صورت (یعنی مبیع کے اتلاف کی صورت) میں مستحق کو اختیار
ہو گا اگر چاہے تو اس کی قیمت کا راہن کو ضامن بنائے کیونکہ راہن اس کے
حق میں غاصب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر چاہے تو عادل شخص سے
اس کا ضمان وصول کرے کیونکہ عادل فروخت کرنے اور سپرد کرنے کی بناء
پر اس کے حق میں تعدّی سے کام لینے والا ہے پس اگر مستحق نے راہن سے
ضمان وصول کر لیا تو بیع نافذ ہو جائے گی اور مرتہن کا اس کے ثمن کو وصول
کرنا بھی صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ راہن ضمان ادا کرنے کی وجہ سے اس مبیع
کا مالک بن گیا۔ اور ظاہر ہوا کہ راہن نے عادل کو اپنی مملوکہ چیز کو فروخت
کرنے کا حکم دیا تھا۔

اگر مستحق نے بائع یعنی عادل سے ضمان وصول کیا تو بھی بیع نافذ ہو گی
کیونکہ عادل ضمان ادا کرنے کی بناء پر مبیع کا مالک بن گیا اور ظاہر ہو گیا کہ
اس نے اپنی ذاتی مملوکہ چیز کو فروخت کیا۔

جب عادل نے تاوان ادا کر دیا تو اسے اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اس قیمت کے بارے میں راہن سے رجوع کرے (جو اس نے مستحق کو ادا کی ہے) کیونکہ عادل راہن ہی کی طرف سے وکیل تھا اور اسی کے لیے عمل کرنے والا تھا تو اس سلسلے میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوگی وہ اس ذمہ داری یعنی تاوان کے سلسلے میں راہن سے رجوع کرے گا۔ اور بیع نافذ ہوگی۔ نیز مرتہن کا وصول کرنا بھی صحیح ہوگیا۔ اس لیے مرتہن اب اپنے قرضہ میں سے راہن سے کچھ نہ لے گا۔

اگر عادل چاہے تو مرتہن سے اس ثمن کے لیے رجوع کر سکتا ہے جو اس نے اسے دیا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ ظاہر ہوگیا کہ مرتہن نے یہ ثمن ناحق طور پر لیا تھا۔ کیونکہ اداءِ تاوان کی بناء پر عادل شخص غلام کا مالک بن گیا تھا۔ اور غلام کی بیع اس پر نافذ ہوگی تو ثمن بھی عادل کے لیے ہوگا۔ البتہ عادل نے اس گمان کے تحت یہ ثمن ادا کیا تھا کہ یہ راہن کی ملک ہے لیکن جب یہ امر واضح ہوگیا کہ یہ غلام تو اس کی اپنی ملک ہے (اداءِ تاوان کی بناء پر) تو وہ یہ ثمن مرتہن کو دینے پر راضی نہ ہوگا لہٰذا وہ ثمن کے بارے میں مرتہن سے رجوع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جب عادل نے مرتہن سے رجوع کر لیا تو مرتہن کا قرض وصول کرنا بھی باطل ہوگیا۔ اس لیے مرتہن اپنے قرض کی وصولی کے لیے راہن کی طرف رجوع کرے گا۔

اور جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی جب کہ مبیع مشتری کے پاس موجود ہے تو مستحق کو اختیار ہے کہ وہ مشتری کے قبضے سے لے لے کیونکہ

اسے اپنا عین مال مل گیا ۔ پھر مشتری ثمن کے سلسلے میں عادل سے رجوع کرے گا کیونکہ عقد کے فرائض اسی نے سرانجام دیے تھے لہٰذا حقوقِ عقد اسی سے متعلق ہوں گے اور ثمن کے لیے رجوع کرنا بھی عقد کے حقوق میں سے ایک حق ہے ۔ کیونکہ ثمن بیع ہی کی وجہ سے واجب ہوا تھا اور مشتری نے ثمن کی ادائگی اس لیے کی تھی کہ مبیع اس کے لیے صحیح وسالم رہے ۔ لیکن یہ مبیع اس کے لیے سالم نہ رہا ۔

پھر عادل کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو راہن سے قیمت کے لیے رجوع کرے کہ راہن نے ہی اسے اس قسم کی ذمہ داری میں مبتلا کیا ہے ۔ اب اسی کا فرض ہے کہ وہ اس کی گلو خلاصی کرائے (قیمت سے مراد وہ ثمن ہے جو اس نے مشتری کو ادا کیا ہے) جب عادل نے راہن سے قیمت وصول کر لی تو مرتہن کا وصول کرنا صحیح ہو گیا ۔ کیونکہ وہ ثمن جو اس نے عادل سے وصول کیا وہ اس کے لیے سالم ہو گیا ۔

اگر عادل چاہے تو مرتہن کو ادا کردہ ثمن کے لیے رجوع کرے کیونکہ جب عقدِ بیع ٹوٹ گیا تو اس کا ثمن ہونا باطل ہو گیا حالانکہ مرتہن نے اس کو مرہون کا ثمن قرار دیتے وصول کیا تھا ۔ (لیکن جب عقد ہی ختم ہو گیا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب عادل نے ادا کردہ ثمن کا رجوع کر لیا) تو لامحالہ مرتہن کا قبضہ توڑنا ضروری ہے اور جب عادل نے مرتہن سے ثمن واپس لے لیا اور اس کا قبضہ ٹوٹ گیا تو مرتہن کا حق اپنے قرض کے وصول کرنے کے لیے عود کر آیا جیسے کہ (وصولی سے) پہلے تھا ۔ لہٰذا قرض

کے سلسلے میں راہن سے رجوع کرے گا۔

اگر مشتری (یعنی عادل سے خریدنے والے) نے مبیع کا ثمن مرتہن کے سپرد کیا تو وہ عادل سے ثمن کے لیے رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ عادل بیع کے سلسلے میں راہن کے لیے کام کرنے والا تھا مشتری عادل سے اسی صورت میں رجوع کر سکتا ہے جب کہ ثمن اس نے وصول کیا ہو۔ حالانکہ مذکورہ صورت میں عادل نے ثمن وصول نہیں کیا تو ضمانت مؤکل کی ذمہ داری پر ہوگی۔

اگر توکیل عقدِ رہن کی تکمیل کے بعد ہو یعنی عقدِ رہن میں مشروط نہ تھی تو اس صورت میں عادل پر جو ذمہ داری عائد ہوگی اس کے لیے وہ راہن سے رجوع کرے گا خواہ مرتہن نے ثمن وصول کیا ہو یا نہ۔ کیونکہ اس توکیل سے مرتہن کا حق متعلق نہیں ہوا (اس لیے کہ عقدِ رہن کے وقت توکیل کی شرط نہیں تھی) تو مرتہن پر رجوع کرنا ثابت نہ ہوگا جیسے کہ وہ وکالتِ مفردہ جو رہن سے خارج اور الگ ہو کہ اس میں جب وکیل فروخت کر کے ثمن اس شخص کے حوالے کر دے جس کو دینے کا مؤکّل نے حکم دیا تھا۔ پھر اس وکیل پر کوئی ذمہ داری عائد ہو جائے تو وکیل ثمن کے وصول کرنے والے سے کسی قسم کا رجوع نہیں کر سکتا (بلکہ مؤکل سے رجوع کرے گا۔ اسی طرح اس وکالت کا حکم ہے جو عقدِ رہن کے بعد ہو) بخلاف اس وکالت کے جو عقد میں مشروط ہو۔ کیونکہ اس سے مرتہن کا حق متعلق ہو جاتا ہے تو عادل کا فروخت کرنا مرتہن کے حق کی وجہ سے ہوگا۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کرخیؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے (یعنی

فرق کو اسی طرح بیان کیا ہے) اور یہ قول اس شخص کے نظریے کی تائید کرتا ہے جس کی رائے میں وکیل پر بیع کے لیے جبر نہیں کیا جا سکتا (یعنی جس کی وکالت عقدِ رہن کے بعد ہو اگر وہ قرض کی میعاد ختم ہونے پر مرہون کی بیع سے انکار کر دے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کی حیثیت وکیل بالبیع کی سی ہوتی ہے)

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر مرہون غلام مرتہن کے پاس فوت ہو جائے۔ پھر کوئی شخص اس کا حق دار ثابت ہو جائے تو مستحق شخص کو اختیار ہو گا کہ اگر چاہے تو راہن سے اس کا ضمان لے یا چاہے تو مرتہن سے ضمان لے۔ اس لیے کہ راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک اس مستحق کے حق میں تعدّی کرنے والا ہے راہن اسے سپرد کرنے کی بنا پر اور مرتہن اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے۔

اگر اس نے راہن سے ضمان لیا تو اس غلام کی موت قرض کے بالمقابل واقع ہو گی کیونکہ راہن اداءِ تاوان کی بنا پر اس کا مالک بن گیا۔ تو اس کا قرض ادا کرنا صحیح ہو گیا۔

اگر مستحق نے مرتہن سے ضمان وصول کیا تو مرتہن اس قیمت کے لیے جو اس نے ادا کی ہے راہن سے رجوع کرے گا نیز اپنے قرض کے لیے قیمت کے لیے رجوع کی وجہ یہ ہے کہ مرتہن نے اس معاملہ میں راہن کی طرف سے ہی دھوکا کھایا اور قرض کے لیے رجوع کی وجہ یہ ہے (کہ مرہون کے استحقاق کی بنا پر ادائیگی کے سبب) قرضہ کی وصولیابی ٹوٹ گئی۔ للہذا

مرتہن کا حق اسی طرح عود کر آئے گا جیسے کہ پہلے راہن کے ذمہ واجب تھا۔

اگر سوال کیا جائے کہ جب تاوان کا برقرار ہونا راہن کے ذمے ٹھہرا بدین وجہ کہ مرتہن کو اس ادا کردہ ضمان کے لیے راہن سے رجوع کا حق ہے۔ اور قانون یہ ہے کہ جس شخص پر تاوان کا قرار ہوا اسی شخص کی ملکیت اس چیز میں ثابت ہو جاتی ہے جس کے عوض اس نے تاوان کی ادائیگی کی ہے، تو ظاہر ہوا کہ راہن نے اپنی ملک ہی رہن رکھی تھی تو یہ صورت اس طرح ہو گئی جیسے کہ مستحق ضمان کو ابتداءً ہی راہن سے وصول کرے (تاکہ مرتہن کو قرض کے لیے رجوع کا حق نہ رہے بلکہ قرض ساقط ہو جائے)

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض امام محمدؒ بن حسن پر قاضی ابو خازم عبدالحمید بن عبدالعزیز نے طعن کے طور پر کیا۔ (اعتراض کا آسان لفظوں میں حاصل یہ ہے کہ جب راہن ہی ضامن ٹھہرا تو مرتہن کے پاس اسی کی ملک تلف ہوئی جیسے اگر مستحق نے ابتداءً ہی راہن سے تاوان لے لیا ہوتا تو یہی ہوتا اس لیے مرتہن کا قرض ساقط ہو جانا چاہیے۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ ابتداءً ہی راہن سے تاوان لے لے تو مرتہن کا قرض ساقط ہو جاتا ہے اور اگر مرتہن سے تاوان لے کر مرتہن کے ذریعے راہن پر تاوان برقرار رکھا جائے تو مرتہن کا قرض ساقط نہیں ہوتا۔ بلکہ مرتہن تاوان مع قرض کے لیے راہن سے رجوع کرے۔ جب دونوں صورتوں کا مآل ایک ہی ہے تو فرق کیوں رکھا گیا)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مرتہن راہن سے ادا کردہ ضمان کا

رجوع اس لیے کرتا ہے کہ مرتہن راہن کی طرف سے فریب دیا گیا ہے اور راہن کا فریب دینا اس طرح ہے کہ اس نے دوسرے کی مملوکہ چیز پر اپنی ملکیت ظاہر کرتے ہوئے مرتہن کے سپرد کر دی (جو سراسر دھوکا ہے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے (کہ راہن و مرتہن میں سے ہر ایک تعدّی سے کام لینے والا ہے راہن بوجہ سپرد کرنے کے اور مرتہن بوجہ وصول کرنے کے) یا مرتہن کا اپنا ادا کردہ تاوان راہن سے واپس لینا مرتہن کی طرف سے راہن کی جانب انتقالِ ملکیت کی بنا پر ہوتا ہے گویا کہ مرتہن راہن کی طرف سے وکیل ہے ان دونوں میں سے کوئی وجہ بھی ہو ملکیت ہر صورت عقدِ رہن سے متاخر ہے بخلاف پہلی صورت کے (یعنی جب مستحق راہن سے ضمان وصول کرے تو ایسی صورت میں راہن کی ملکیت رہن سے قبل ثابت ہو جاتی ہے) اس لیے کہ مستحق نے راہن سے اس کے سابق قبضہ کے اعتبار سے تاوان لیا جو رہن سے پہلے موجود تھا۔ تو ملکیت اسی حالت کی طرف منسوب ہو گی (جو عقدِ رہن سے مقدم ہے) جس سے یہ امر واضح اور ظاہر ہو گیا کہ اس نے اپنی ملکیت ہی رہن رکھی ہے (کیونکہ راہن نے جب دوسرے کی چیز پر قبضہ کر کے اسے رہن رکھا تو غیر کی چیز پر قبضہ ہی سے غاصب ضامن ہو گیا اور ضمان ادا کر کے اسی وقت سے مالک ہو گیا تو گویا اس نے مالک بن کر رہن رکھا) کفایۃ المنتہی میں ہم نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

بَابُ التَّصَرُّفِ فِي الرَّهنِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ وَجِنَايَتُهُ عَلَى غَيْرِهِ

(مرہون میں تصرّف کرنے، اس پر کسی قسم کی تعدّی کرنے یا مرہون کی طرف سے کسی پر تعدی کرنے کا بیان)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ جب راہن مرہون چیز کو مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو بیع موقوف رہے گی (یعنی نافذ نہ ہوگی) کیونکہ مرہون کے ساتھ دوسرے شخص کا حق متعلق ہو چکا ہے اور وہ مرتہن ہے لہٰذا اس کی اجازت پر بیع موقوف ہوگی اگرچہ راہن نے اپنی ہی ملک میں تصرف کیا ہے (اور اپنی ملک میں ہر طرح کا تصرف جائز ہوتا ہے لیکن چونکہ اس سے دوسرے کا حق بھی متعلق ہے اس لیے اس کی اجازت کے بغیر بیع نافذ نہ ہوگی) جس طرح وہ شخص جو اپنے تمام مال کی وصیت کر دے تو یہ وصیت تہائی سے زائد حصے میں ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ کیونکہ تہائی سے زائد حصے کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

اگر مرتہن نے اجازت دے دی تو بیع جائز ہوگی یعنی بیع نافذ ہو جائے گی کیونکہ اسی کے حق کی بناء پر بیع کو موقوف قرار دیا گیا تھا اور

جب وہ اپنے حق کے سقوط پر راضی ہو گیا تو اب نفاذِ بیع سے کوئی امر مانع نہ رہا۔

اگر بیع کے بعد راہن نے اپنا قرضہ ادا کر دیا تو بھی بیع جائز ہو گی کیونکہ جو امر (یعنی مرتہن کا حق) نفاذِ بیع سے مانع تھا وہ زائل ہو گیا اور اس کے نفاذ کا مقتضی بھی موجود ہے اور وہ ایسا تصرف ہے جو اہل یعنی عاقل و بالغ شخص سے اپنے محل میں صادر ہو رہا ہے (یعنی یہ تصرف اپنی ملک میں پایا جا رہا ہے)۔

مسئلہ:۔ جب مرتہن کی اجازت سے بیع نافذ ہو گئی تو مرتہن کا حق بدل یعنی ثمن کی طرف منتقل ہو جائے گا یہی صحیح ہے۔ کیونکہ مرتہن کا حق مرہون کی مالیت سے متعلق ہوتا ہے اور بدل کو مبدل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے (کیونکہ بدل و مبدل مالیت کے لحاظ سے مساوی حیثیت رکھتے ہیں) تو یہ صورت اس مقروض غلام کی طرح ہو گی جسے قرض خواہوں کی رضامندی سے فروخت کر دیا جائے تو ان کا حق بدل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے حق کے منتقل ہونے پر تو راضی ہیں (فروخت کی اجازت دے کر) لیکن حق کے کلیۃً ساقط ہونے پر راضی نہیں۔ یہی صورت زیرِ بحث مسئلہ میں بھی ہے۔ (کہ مرتہن انتقالِ حق پر راضی ہے سقوطِ حق پر راضی نہیں)

اگر مرتہن نے بیع کی اجازت نہ دی بلکہ اسے فسخ کر دیا تو ابنِ سماعہ کی روایت کے مطابق بیع فسخ ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ راہن نے اگر ادائیگی

قرض کے بعد مرہون کو واگزار کرا لیا تو مشتری کے لیے مرہون چیز پر قبضہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ کیونکہ مرتہن کا جو حق مرہون پر ثابت تھا وہ بمنزلہ ملک کے تھا۔ مرتہن گویا مالک کی طرح تھا اور اسے یہ اختیار تھا کہ بیع کی اجازت دے دے یا اسے فسخ کر دے۔ (فک رہن کے بعد مشتری جدید بیع سے مرہون کو حاصل کر سکتا ہے)

دو روایتوں میں سے صحیح تر روایت یہ ہے کہ مرتہن کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی کیونکہ اگر اسے حق فسخ کا اختیار ہوتا تو اسے اپنے حق کی حفاظت کے لیے یہ اختیار حاصل ہوتا کہ مرتہن کا حق تو حبس مرہون ہے اور یہ حق حبس عقدِ بیع کے منعقد ہو جانے سے باطل نہیں ہوتا۔ پس عقدِ بیع موقوف رہے گا۔ اگر مشتری چاہے تو صبر سے کام لے حتیٰ کہ راہن مرہون کو واگزار کرالے کیونکہ مبیع کو سپرد کرنے کا عجز زوال کے کنارے پر ہے (یعنی جونہی راہن قرض کی ادائیگی کر دے گا۔ مرہون کو واگزار کرا کے مشتری کے سپرد کر دے گا) اور اگر مشتری چاہے تو اس معاملہ کو قاضی کی عدالت میں لے جائے۔ قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ بیع کو فسخ کر دے کیونکہ راہن کو سپردِ مبیع پر قدرت حاصل نہیں۔ فسخ کرنے کی ولایت قاضی کو حاصل ہوتی ہے مرتہن کو نہیں۔ اور یہ صورت ایسے ہوگی جس طرح کہ خرید کردہ غلام مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے بھاگ جائے تو اس صورت میں مشتری کو انہی مذکورہ دو باتوں میں اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح زیرِ بحث صورت میں بھی اسے دو باتوں کا اختیار ہوگا۔

مسئلہ:۔ الجامع الصغیر میں ہے۔ اگر راہن نے مرہون چیز کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر مرتہن کی اجازت سے پہلے ہی راہن نے مرہون کو دوسرے مشتری کے پاس فروخت کر دیا تو دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی کیونکہ بیع اول بھی نافذ نہیں ہوئی تھی (بلکہ موقوف تھی) اور پہلی بیع کا موقوف ہونا اس امر سے مانع نہیں کہ دوسری بیع موقوف ہو۔ اگر مرتہن نے دوسری بیع کی اجازت دے دی تو بیع ثانی جائز ہو جائے گی (اسی طرح اگر بیع اول کی اجازت دے دے تو وہ جائز ہو جائے گی۔ یعنی مرتہن جس بیع کی اجازت دے دے گا وہ نافذ ہوگی)

اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون کو فروخت کیا۔ پھر اسے کسی دوسرے کو کرائے پر دیا۔ یا ہبہ کر دیا یا کسی دوسرے کے پاس رہن رکھ دیا اور مرتہن نے ان تمام عقود کی اجازت دے دی تو صرف بیع اول جائز ہوگی (اور یہ دوسرے عقود جائز نہ ہوں گے)۔

ان دونوں صورتوں (یعنی جب راہن ایک بیع کے بعد دوسری بیع کرے تو مرتہن کی اجازت سے ہر ایک بیع جائز ہو سکتی ہے لیکن راہن اگر بیع اول کے بعد اجارہ، ہبہ یا رہن کا عقد کرے تو یہ معاملات جائز نہیں ہوتے) میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ دوسری بیع میں مرتہن کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر صورت ہوتا ہے کیونکہ مرتہن کا حق بدل سے متعلق ہوتا ہے لہذا مرتہن اجازت دیتے ہوئے بیع ثانی کی تعیین کر سکتا ہے کیونکہ بیع ثانی کے بدل کے ساتھ اس کے حق کا تعلق ہے۔ لیکن ان عقود یعنی

اجارے، ہبہ اور رہن کے ساتھ اس کے حق کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہبہ اور رہن کی صورت میں تو کوئی بدل ہی نہ ہوگا اور اجارے کی صورت میں جو بدل ہے وہ منافع کا بدل ہے عین مال کا بدل نہیں حالیکہ مرتہن کا حق مالِ عین کی مالیت میں ہے اس کے منافع میں نہیں۔ لہٰذا اس کی اجازت دینا اپنے حق کے اسقاط کے مترادف ہوگا اور اس طرح وہ مانع زائل ہو جائے گا جو نفاذ بیع کی راہ میں حائل تھا لہٰذا پہلی بیع نافذ ہو جائے گی۔ اس تفصیل سے دونوں صورتوں میں فرق واضح ہو گیا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اگر راہن نے مرہون غلام کو آزاد کر دیا تو راہن کا عتق نافذ ہو جائے گا (راہن خوشحال ہو یا تنگدست) امام شافعیؒ کے بعض اقوال میں ہے کہ اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہو تو عتق نافذ نہ ہوگا کیونکہ عتق کے نافذ کرنے میں مرتہن کے حق کا ابطال لازم آتا ہے تو یہ بیع کے مشابہ ہے (یعنی جس طرح مرہون کی فروخت سے مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے اور بیع کو نافذ قرار نہیں دیا جاتا اسی طرح عتق کو بھی نافذ نہ کیا جائے گا) لیکن جب معتق خوشحال ہو تو امام شافعیؒ کے بعض اقوال کے مطابق عتق نافذ ہوگا (اور معتق مرتہن کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا) کیونکہ واجب کرنے سے معنوی طور پر اس کا حق باطل نہ ہوگا (یعنی جب مرتہن اس سے قیمت کا تاوان لے لے گا تو غلام کی جگہ قیمت رہن ہو گی اور قیمت معنوی طور پر مرہون کی طرح ہے لیکن جب راہن تنگدست ہو تو مرتہن اس سے کیا وصول کرے گا۔ اس لیے عتق کو

نافذ نہیں کیا جاتا۔ امام شافعیؒ کا تیسرا قول مسلک احناف کے موافق ہے)
بخلاف اجارہ پر دیے گئے غلام کے آزاد کرنے کے (کہ اس کا عتق نافذ
ہو جاتا ہے) کیونکہ اجارہ تو میعادِ مقررہ تک (عتق کے بعد بھی) باقی رہے گا
اس لیے کہ آزاد شخص بھی اجارے کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن آزاد شخص
رہن کے قابل نہیں ہوتا۔ اس لیے آزاد کر دینے کے بعد رہن باقی نہ رہے گا۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ راہن مکلّف اور عاقل و بالغ شخص ہے جس نے
اپنی مملوکہ چیز کو آزاد کیا ہے لہٰذا اس کا تصرف صرف اس بنا پر لغو نہ ہوگا
کہ مرتہن نے اجازت نہیں دی۔ جیسے مشتری خرید کردہ غلام کو قبضہ کرنے
سے پہلے آزاد کر دے یا بھاگے ہوئے غلام یا مغصوب غلام کو آزاد کر
دے (تو عتق نافذ ہو جاتا ہے، حالانکہ ان تمام صورتوں میں مالک کا قبضہ
موجود نہیں ہوتا) اور اس امر میں ذرہ بھر خفا نہیں کہ راہن کی ملکیت رقبہ
موجود ہے۔ کیونکہ موجب ملک قائم ہے (یعنی رہن رکھ دینے سے
مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔ ورنہ رہن کیسے درست ہوتا اور مرہون کی
واپسی کیسے درست ہوتی) اور رہن کا عارض ہونا زوال ملکیت کی علامت
نہیں۔ پھر جب اعتاق کی بنا پر راہن کی ملکیت غلام کے رقبہ یعنی ذات
سے زائل ہو گئی تو مرتہن کے قبضہ کی ملکیت بھی زائل ہو جائے گی جو کہ
راہن کی ملکیت پر مبنی تھی۔ جیسے مشترک غلام کے اعتاق میں ہوتا ہے
بلکہ بدرجۂ اولیٰ (یعنی مشترک غلام کو اگر ایک شریک آزاد کر دے تو دوسرے
کی ملکیت اعتاق میں مانع نہیں ہوتی۔ اسی طرح مرتہن کی ملکیت حبس اعتاق

سے مانع نہ ہو گی بلکہ بدرجہ اولیٰ مرتہن کا حق قبضہ مالک کے تصرف سے
مانع نہ ہو گا) کیونکہ ملک رقبہ جو شریک کو حاصل ہے بہ نسبت ملکِ قبضہ
کے جو مرتہن کو حاصل قوی تر ہے جب اعلیٰ درجہ کی ملکیت نفاذِ اعتاق
کی راہ میں حائل نہ ہوئی تو کم درجہ کی ملکیت امرتہن کی ملکیتِ قبضہ بدرجہ
اولیٰ نفاذ اعتاق کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو گی۔

مرہون کی بیع اور ہبہ کے تصرف کا نافذ نہ ہونا اس بنا پر ہوتا ہے
کہ اسے سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہوتی (لہٰذا اعتاق کو بیع و ہبہ پر قیاس
کرنا قیاس مع الفارق ہو گا)۔

وارث کا ایسے غلام کو آزاد کرنا جس کی ذات کی ملکیت کی کسی
شخص کے لیے وصیت کی گئی ہے لغو نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنی قیمت
کی ادائیگی کے لیے کمائی کرنے کے زمانہ تک مؤخر کر دیا جاتا ہے۔امام
ابو حنیفہؒ کے نزدیک (صاحبینؒ کے نزدیک تو وہ اسی وقت آزاد ہو
جاتا ہے۔ یہ عبارت بھی امام شافعیؒ کے ایک استدلال کا جواب ہے۔
امام شافعیؒ کا یہ قول کہ اعتاق کے نفاذ میں معتق کا تنگ دست ہونا
مانع ہے کیونکہ غلام دوسرے کے حق میں گھرا ہوا ہے۔ امام شافعیؒ
نے اس مسئلے کو نظیر بنایا کہ وارث اگر ایسے غلام کو آزاد کرے جس کے لیے
کسی کو ہبہ کرنے کی وصیت کی تھی۔ تو وارث کا اعتاق صحیح نہیں ہوتا۔
کیونکہ غلام موصی لہٗ کے حق میں گھرا ہوا ہے تو اسی طرح مرہون کا اعتاق
بھی صحیح نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بھی مرتہن کے حق میں مشغول ہے۔ اس کا

جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ آپ کا اس مسئلے کو نظیر بنانا درست نہیں کیونکہ وارث کا اعتاق لغو نہیں جاتا بلکہ جب تک غلام کمائی کر کے اپنی قیمت کے مطابق رقم ادا نہ کر دے اس کا اعتاق مؤخر رہتا ہے۔ جب غلام نے اپنی کمائی سے قیمت ادا کر دی تو آزاد ہو جائے گا۔ سراج الہدایہ)

جب اعتاق نافذ ہو گیا تو محل کے فوت ہو جانے کی بناء پر (یعنی محل کے قائم نہ رہنے کی وجہ سے) رہن باطل ہو جائے گا۔ پھر نفاذِ اعتاق کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر راہن خوش حال شخص ہو اور قرض بھی فی الحال ہی واجب الادا ہو تو راہن سے اداءِ قرض کا مطالبہ کیا جائے گا (اگرچہ وہ ضامن تو قیمت کا تھا) کیونکہ اگر اس سے قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے تو قیمت سے مقدارِ قرض کا مقاصد یعنی تبادلہ ہو جائے گا اور اس میں کوئی فائدہ نہیں (کیونکہ قرض کی میعاد گزر چکی ہے)

اگر قرض میعادی ہو تو اس سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور غلام کی جگہ اس قیمت کو رہن رکھا جائے گا تا آنکہ اداءِ قرض کا وقت آجائے کیونکہ ضمان کا سبب متحقق ہے (اس لیے کہ اس نے غلام کو آزاد کر کے مرتہن کے حق میں تعدی سے کام لیا لہٰذا اسے ضامن قرار دیا گیا) اور ضمان لینے میں فائدہ مضمر ہے (کہ اس سے قرض کی وصولی میں استحکام پیدا ہو جائے گا) جب اداءِ قرض کا وقت آ گیا تو مرتہن اس کو اپنے قرض میں وصول کرے جب کہ ضمان اس کے حق کی ہم جنس ہو اور جو رقم

قرض سے زائد ہو وہ راہن کو واپس کر دے۔

اگر راہن تنگ دست ہو تو آزاد شدہ غلام اپنی قیمت کی ادائیگی کے لیے سعایت کرے گا اور اس سے مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا البتہ اگر یہ کمائی مرتہن کے حق کی ہم جنس نہ ہو تو اس کو روک کر ادائے قرض کا مطالبہ کرے حتیٰ کہ اس خلاف جنس مال کو فروخت کر کے قرض ادا کیا جائے۔

سعایت کو اس لیے لازم کیا گیا کہ جب مرتہن کو معتق کی طرف سے عین حق کا حاصل ہونا متعذر رہے تو وہ اس شخص کی طرف رجوع کرے جس نے معتق کے فعل سے انتفاع حاصل کیا ہے اور وہ غلام ہے کیونکہ خراج ضمان کے مطابق ہوتا ہے (اس جملے میں ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور جب تک اللہ نے چاہا غلام اس کے پاس رہا۔ پھر اسے غلام میں ایک عیب کا پتا چلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بائع سے مخاصمہ کیا۔ حضورؐ نے واپسی کا حکم دیا۔ بائع نے عرض کیا اس نے اتنا عرصہ غلام سے کمائی بھی تو کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَلْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ یعنی آمدنی ضمان کے ساتھ مربوط ہے یعنی یہ غلام جس کی ضمان میں تھا اس کی منفعت بھی اسی کے لیے ہو گی)۔

صاحب ہدایہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قیمت کے سلسلے میں غلام کی سعایت کرنے کا مطلب یہ ہے جب کہ اس کی قیمت قرض سے کم ہو لیکن جب قرض اس کی قیمت سے کم ہو تو اس کا حکم ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

(کہ اس صورت میں وہ قرض کے لیے سعایت کرتا ہے)۔
پھر یہ غلام جو سعایت کر کے قیمت ادا کر چکا ہے اپنے آقا سے اس
قدر رقم کے لیے رجوع کرے گا جس قدر رقم اس نے سعایت سے حاصل
کر کے ادا کی ہے۔ جب کہ اس کا آقا خوش حال ہو جائے کیونکہ غلام نے
آقا کا قرض ادا کیا ہے اور وہ بحکم شرع اس ادائیگی پر مجبور تھا۔ تو جو بوجھ
اس نے آقا کے لیے برداشت کیا ہے اسے آقا سے رجوع کرنے کا
حق ہوگا۔ بخلاف اس غلام کے جس کو آزاد کرنے کے لیے سعایت کرائی جا
رہی ہو (اسے آقا پر رجوع کا حق نہیں ہوتا) کیونکہ وہ ایسے تاوان کو ادا
کرتا ہے جو اسی پر واجب ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس
کی سعی آزادی کے حصول کے لیے ہوتی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک
اسی کی سعی تکمیل آزادی کے لیے ہوتی ہے (مثلاً ا اور ب میں ایک غلام
مشترک ہے۔ ا نے اپنا حصہ آزاد کر دیا۔ اور ا تنگدست شخص ہے لہٰذا
غلام پر ب کا حصہ ادا کرنے کے لیے سعایت واجب کی گئی تو غلام اس
سعایت کے لیے ا سے رجوع کرنے کا حق دار نہ ہوگا) اور زیر بحث
مسئلہ میں غلام مرہون جو آزاد کر دیا گیا ہے آزادی کی تکمیل کے بعد ایسے
ضمان کے لیے سعی کرتا ہے جو دوسرے شخص یعنی معتق پر واجب ہے۔
تو یہ غلام مرہون کے عاریت دینے والے کی طرح ہوگا (کسی شخص نے مقروض
کو کوئی چیز عاریت پر رہن کے لیے دی لیکن راہن نے رہن واگذار نہ
کرایا اور اصل مالک کو قرض ادا کرنا پڑا تو یہ شخص راہن سے مرہون اور

قرض کے لیے رجوع کرتا ہے اسی طرح غلام بھی ادا کردہ کمائی کے سبب آقا سے رجوع کرے گا)

پھر امام ابو حنیفہؒ نے مشترک سعایت کرنے والے پر مطلقاً حق سعایت واجب کیا (خواہ معتق خوش حال ہو یا تنگ دست جب کہ دوسرا شریک سعایت کا مطالبہ کرے) اور غلام مرہون کے لیے سعایت کے سلسلے میں معتق کی تنگ دستی کی شرط کا اعتبار کیا۔ دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مرتہن کے لیے غلام مرہون میں صرف حق ملکیت ثابت ہوتا ہے (یعنی اسے قبضۂ استیفاء حاصل ہوتا ہے حقیقی ملک حاصل نہیں ہوتا) اور یہ حق اس حقیقتِ ملک سے کم تر ہے جو مشترک غلام کی صورت میں اعتاق کے معاملے میں خاموشی اختیار کرنے والے شریک کو حاصل ہے (یعنی شریک ساکت کو غلام میں حقیقی ملکیت حاصل ہوتی ہے اور مرتہن کو صرف حق ملکیت حاصل ہوتا ہے) لہٰذا یہاں صرف ایک ہی حالت میں (یعنی بحالت تنگ دستی) سعایت لازم ہوگی تاکہ اس کے رتبہ کی کمی کا اظہار ہو سکے (اور مذکورہ صورت میں دونوں حالتوں میں واجب ہے تاکہ حقیقی ملک کے رتبے کی عظمت کا پتا چل سکے)۔

بخلاف اس غلام کے جس کو مشتری نے قبضہ کرنے سے پہلے آزاد کر دیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق وہ بائع کے لیے سعایت نہیں کرے گا۔ ہاں نوادر میں منقول امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق غلام مرہون سعایت کرے گا (جب کہ معتق تنگ دست ہو) اس لیے کہ قبضہ کے معاملے میں

بائع کا حق بہ نسبت مرتہن کے کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ مآل یعنی بعد میں آنے والے وقت میں بائع اس کا مالک نہیں رہتا (یعنی ثمن کی وصولی پر) نیز بائع اس عین غلام سے اپنا حق وصول نہیں کر سکتا (بلکہ اُسے تو مشتری کے ادا کردہ ثمن سے اپنا حق وصول ہوتا ہے) اسی طرح بائع اگر مشتری کو وہ غلام عاریت پر دے دے تو اس کا حق حبس جاتا رہتا ہے لیکن مرتہن کا حق ملکیت میں بدل جاتا ہے اور اگر وہ راہن کو مرہون چیز بطور عاریت دے دے تو اس کا حق حبس پھر بھی باطل نہیں ہوتا حتیٰ کہ اسے اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ اس چیز کو راہن سے واپس لے سکتا ہے (اس لیے بائع اور مرتہن میں فرق ہے) اس فرق کے باوجود اگر ہم دونوں صورتوں میں سعایت واجب کر دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم نے بائع اور مرتہن کے حقوق میں مساوات پیدا کر دی حالیکہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

اگر آقا نے غلام کے رہن کا اقرار کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے فلاں کے پاس رہن رکھ دیا ہے۔ لیکن غلام نے آقا کے قول کی تکذیب کی۔ پھر آقا نے اسے آزاد کر دیا تو ہمارے نزدیک اس غلام پر مرتہن کے لیے سعایت واجب ہوگی۔ امام زفرؒ کو اس سے اختلاف ہے وہ وجوب سعایت کے قائل نہیں۔ کیوں کہ وہ غلام کے مرہون ہونے کا اقرار آزاد ہو جانے کے بعد اعتبار کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آقا نے غلام کے ساتھ حق متعلق ہونے کا اقرار ایسی حالت میں کیا کہ جس حالت میں وہ غلام کے ساتھ حق کو متعلق کر سکتا تھا

کیونکہ اس کی ملکیت قائم تھی لہٰذا آقا کا اقرار درست ہوگا بخلاف اس اقرار کے جو آزادی کے بعد کیا جائے کیونکہ یہ اقرار انقطاع ولایت کے بعد ہوتا ہے۔

اگر آقا نے مرہون غلام کو مدبّر بنا دیا تو اس کا یہ فعل درست ہوگا۔ ہمارے نزدیک تو اس تصرف کی صحت ظاہر ہے۔ (کہ جب فی الحال آزاد کرنا درست ہے تو مدبّر بنانا بدرجۂ اولیٰ درست ہوگا) اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک بھی آقا کا یہ تصرف درست ہے۔ کیونکہ حضرتِ شافعیؒ کے اصول کے مطابق غلام کو مدبر بنانا بیع سے مانع نہیں ہوتا۔

اگر مرہونہ چیز باندی ہو اور راہن اسے ام ولد بنا دے تو اس کا ام ولد بنانا درست ہوگا بالاتفاق۔ کیونکہ استیلاد تو دو حصوں میں سے کمتر حق سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور کمتر حق یہ ہے جو باپ کو اپنے بیٹے کی باندی میں حاصل ہوتا ہے (حالانکہ باپ حقیقۃً مالک نہیں ہوتا) تو یہ استیلاد اعلیٰ درجہ کے حق سے بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگا (یعنی راہن کا اپنے حقیقی ملک میں تصرف کرتا)

جب مدبر کرنا اور ام ولد بنانا دونوں صحیح ہو گئے تو مدبر و اُم ولد دونوں رہن ہونے سے خارج ہو گئے کیونکہ وہ رہن ہونے کا محل نہ رہے اس لیے کہ اب ان سے قرض کی وصولی ممکن نہ رہی۔

اگر راہن خوشحال ہو تو وہ ان کی قیمت کا ضامن ہوگا اسی تفصیل کے مطابق جو ہم نے مرہون غلام کے آزاد کرنے کی صورت میں بیان کی ہے

اگر راہن تنگ دست ہو تو مدبّر او رام ولد سے مرتہن پورے قرض کی وصولی کے لیے سعایت کرائے گا کیونکہ ان دونوں کی کمائی آقا ہی کا مال ہے۔ اگرچہ انھیں آزادی کا استحقاق ہے لیکن یہ آقا کی موت کے بعد حاصل ہوگا۔ بخلاف آزاد شدہ غلام کے کہ وہ مرتہن کے قرض اور اپنی قیمت میں سے کم تر مقدار کے لیے سعی کرے گا۔ کیونکہ آزاد شدہ کی کمائی اس کا ذاتی حق ہے اور اس غلام کے پاس جو چیز رکی ہوئی ہے وہ صرف بقدرِ قیمت ہے تو اس مقدار پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ مرتہن کا حق قرض کی مقدار کے مطابق ہے تو قرض سے زائد اس پر لازم نہ ہوگا۔

مدبّر اور ام ولد نے جو کچھ ادا کیا وہ آقا کی خوشحالی کے بعد اس سے رجوع نہیں کریں گے۔ کیونکہ انھوں نے آقا کے مال ہی سے ادائیگی کی ہے (یعنی ان کی کمائی آقا کا مال ہے) البتہ آزاد شدہ غلام واپسی کے لیے آقا سے رجوع کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنی کمائی سے آقا کی طرف سے ادائیگی کی ہے۔ اور وہ اس ادائیگی پر بحکم شرع مجبور تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

بعض حضرات نے کہا اگر مرتہن کا قرض میعادی ہو تو مدبّر اپنی قیمت میں سعی کرے گا کیونکہ یہ قیمت اس کے رہن کا عوض ہے حتّٰی کہ اسی قیمت کو مرہون کے بجائے محبوس کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا اندازہ اسی مقدار کے لحاظ سے کیا جائے گا جس مقدار کا اس کو عوض بنایا جائے گا بخلاف اس کے جب قرضہ فی الحال واجب الادا ہو۔ (تو اس صورت میں سعایت

بقدر قیمت نہ ہوگی بلکہ بقدر قرض ہوگی) کیونکہ راہن کے مال سے قرض کی ادائیگی ضروری ہے لہٰذا اس کے ذریعے سے پورا قرض ادا کیا جائے گا (یعنی جب قرض کی ادائیگی کا وقت آگیا ہو تو مدبّر کو قرض کی پوری رقم کی ادائیگی کے لیے سعایت کرنا ہوگی)

اگر راہن نے مدبر کو آزاد کر دیا در آنحالیکہ اس پر سعایت کا فیصلہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں وہ اپنی قیمت کی مقدار کے مطابق سعی کرے گا کیونکہ آزاد ہونے کے بعد اس کی کمائی اس کی اپنی ملک ہوتی ہے اور جس قدر رقم آزادی سے پہلے ادا کر چکا ہے اس کے لیے آقا سے رجوع نہ کرے گا کیونکہ اس قدر رقم اس نے آقا کے مال سے ادا کی ہے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ اسی طرح اگر راہن نے مرہون کو ضائع کر دیا (تو آزاد کر دینے کے سلسلے میں جو احکام بیان کیے گئے وہی اس صورت میں بھی جاری ہوں گے کیونکہ مرہون غلام کا آزاد کرنا یا مدبّر بنانا بھی معنوی لحاظ سے تلف ہے لہٰذا راہن ضامن ہوگا) کیونکہ مرتہن کا حق محترم ہے جس پر تلف کرنے سے ضمان لازم کیا جاتا ہے اور یہ ضمان مرتہن کے قبضہ میں مرہون ہوگی اس لیے کہ ضمان مالِ عین کے قائم مقام ہے۔

اگر مرہون کو اجنبی شخص تلف کرے تو ضمان کی وصولی کے سلسلے میں مرتہن ہی خصم و مدعی ہوگا اور مرتہن ہی قیمت وصول کر کے قیمت کو بطور

رہن اپنے پاس رکھے گا کیونکہ مرتہن ہی عین مرہون کا زیادہ حق دار تھا۔ اس کے موجود اور باقی ہونے کی صورت میں۔ اسی طرح اس چیز کے قائم مقام کو واپس لینے میں بھی یہی زیادہ مستحق ہو گا۔ مرہون کے تلف کرنے والے پر بطور ضمان وہ قیمت واجب ہو گی جو اس کے تلف ہونے کے روز تھی۔ اگر تلف کے روز مرہون کی قیمت پانچ سو درہم ہوا اور رہن کے دن ایک ہزار ہو تو تلف کرنے والا پانچ سو کا ضامن ہو گا۔ اور یہ پانچ سو مرتہن کے پاس رہن ہوں گے اور راہن کے قرض سے پانچ سو ساقط ہو جائیں گے اور پانچ سو زائد کا حکم یہ ہو گا کہ گویا وہ آسمانی آفت سے ضائع ہو گئے۔ مرہون کے تاوان میں اس قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو قبضہ کے روز تھی۔ اس قیمت کا اعتبار نہ ہو گا جو کہ رہن کے روز ہو۔ کیونکہ قبضۂ سابق بذمہ مرتہن ضمانتی ہے نہ کہ وصولی کا قبضہ۔ البتہ ضمان مالِ مرہون کے تلف ہونے پر متقرر و ثابت ہو جاتا ہے۔ (اس لیے وجوب ضمان کے لیے تلف کے روز کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا)

اگر مرہون کو مرتہن تلف کر دے اور قرض میعادی ہو تو مرتہن اس کی قیمت کا تاوان دے گا کیونکہ اس نے غیر کی ملک تلف کر دی اور قرض کی ادائیگی کے وقت تک یہ قیمت مرتہن کے قبضہ میں بطور رہن ہو گی۔ کیونکہ ضمان اصل مالِ مرہون کا بدل ہوتا ہے لہٰذا یہ بدل اصل مالِ مرہون کا حکم اختیار کرے گا (یعنی اصل مرہون کی طرح قیمت بھی رہن ہو گی)۔ جب ادائے قرض کا وقت آگیا درآنحالیکہ قرض قیمت کے ہم جنس

ہے تو مرہون اس قیمت سے اپنے حق کے مطابق لے لے گا کیونکہ یہ قیمت اس کے حق کی ہم جنس ہے۔ اگر قیمت میں سے کچھ رقم باقی بچ جائے تو وہ راہن کو واپس کردی جائے گی کیونکہ وہ اس کی ملک کا عوض ہے اور زائد مقدار مرتہن کے حق سے فارغ ہو چکی ہے۔

اگر بھاؤ کم ہو جانے کی وجہ سے مرہون کی قیمت کم ہو کر پانچ سو تک آجائے حالیکہ رہن کے روز اس کی قیمت ایک ہزار تھی تو تلف کرنے سے پانچ سو درہم واجب ہوں گے۔ اور قرض میں سے پانچ سو درہم ساقط ہو گئے۔ کیونکہ جو مقدار بھاؤ کے کم ہونے سے گھٹ گئی ہے وہ بمنزلۂ تلف ہے۔ اور ضائع ہونے والی مقدار کے مطابق قرض ساقط ہو جائے گا اور قبضہ کے روز والی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ مرہون چیز مرتہن کے ذمہ قابلِ ضمان قبضۂ سابق کی بنا پر ہے (جو رہن کے دن تھا) یہ نہیں کہ مالِ مرہون اس قیمت کے لحاظ سے مرہون کے قبضہ میں مضمون ہو جو قیمت کہ نرخ کم ہونے کی بناپر ہے۔ مرتہن کے ذمہ باقی مقدار مرہون کو تلف کرنے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے اور وہ تلف ہونے کے روز کی قیمت ہے (یعنی نرخ کم ہو جانے کی وجہ سے مرتہن کے قرض سے پانچ سو درہم ساقط ہو گئے۔ اور تلف کرنے کے دن کی قیمت پانچ سو درہم واجب ہوئی یعنی پانچ سو تو قرض سے ساقط ہو گئے اور پانچ سو بطور ضمان واجب ہوئے۔ اگر مرتہن کے پاس مرہون باقی رہتا اور نرخ خواہ کم بھی ہو جاتا تو راہن ایک ہزار درہم دے کر فکِ رہن کراتا۔ لیکن تلف کرنے کی صورت میں نرخ کی کمی کا نقصان

بذمہ مرتہن ہوگا گویا مقدار اس کے پاس کسی آفت سے ضائع ہوتی ہے (سراج)
مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ اگر مرتہن نے مرہون غلام راہن کو عاریۃً دے دیا تاکہ غلام اس کی خدمت کرے یا اس کا کوئی کام سرانجام دے راہن نے غلام پر قبضہ کرلیا تو غلام مرتہن کی ضمان سے خارج ہو گیا کیونکہ قبضۂ عاریت اور قبضۂ رہن میں منافات ہوتی ہے (اس لیے کہ قبضۂ عاریت مضمون نہیں ہوتا اور قبضۂ رہن مضمون ہوتا ہے)۔

اگر غلام راہن کے ہاں ضائع ہوجائے تو وہ بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگا (یعنی مرتہن پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا) کیونکہ مرتہن کا مضمون قبضہ موجود نہیں تھا (جب کہ اس نے راہن کو عاریت پر دیا) اور مرتہن کو اختیار رہتا ہے کہ وہ مرہون کو راہن سے واپس اپنے قبضہ میں لے لے۔ کیونکہ عقد رہن باقی ہے سوائے فی الحال حکم ضمانت کے (یعنی اگر مرہون فی الحال تلف ہوجائے تو مرتہن پر ضمان نہیں اس کے علاوہ باقی امور میں عقد رہن باقی ہے) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ راہن اگر مرتہن کو مال مرہون واپس کرنے سے پہلے مرجائے تو راہن کے دیگر قرض خواہوں کی بہ نسبت مرتہن اس عین مرہون کا زیادہ حق دار ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضۂ عاریت لازم نہیں ہوتا (بلکہ مرتہن جس وقت چاہے واپس لے سکتا ہے) اور ضمان ہر حال میں رہن کے لوازم سے نہیں (اور فی الحال ضمان و تاوان کا نہ ہونا رہن کے منافی نہیں) کیا آپ دیکھتے نہیں کہ رہن کا حکم مرہونہ باندی کے بچے میں ثابت ہوتا ہے (یعنی مرتہن کا قبضہ اس بچے پر بھی ثابت ہوتا

ہے) اگرچہ اس کے ہلاک ہوجانے سے مرتہن پر ضمانت لازم نہیں آتی (تو یہ بچہ مرہون کے ساتھ ساتھ غیر مضمون ہے) جب عقد رہن باقی رہا تو جس وقت مرتہن نے اس مرہون کو جو عاریت پر دیا تھا راہن سے واپس لیا تو ضمان کا حکم بھی عود کر آئے گا کیونکہ عقدِ رہن میں قبضہ عود کر آیا ہے تو وہ اپنی صفت کے ساتھ عود کرے گا (یعنی مضمون ہونے کی حالت میں یہ قبضہ عود کرے گا)

اسی طرح اگر راہن و مرتہن میں سے کسی ایک نے مالِ مرہون کو دوسرے ساتھی کی اجازت سے ایک اجنبی کو عاریت پر دے دیا۔ تو مذکورہ بالا دلیل کے مدنظر مرتہن کے ذمہ سے حکم ضمان ساقط ہوجائے گا۔ (پہلے بتایا جاچکا ہے کہ عاریت و ضمانِ رہن میں منافات ہے اس لیے ایک مستعار چیز مرہون نہیں ہوسکتی) راہن اور مرتہن دونوں میں سے ہر ایک کو حاصل ہے کہ عاریت پر دی ہوئی چیز کو واپس لے کر حسبِ سابق مرہون بنادے۔ کیونکہ اس مال میں راہن و مرہون میں سے ہر ایک کو قابلِ احترام حق حاصل ہے۔

مرہون چیز کو عاریت پر دینے کا یہ حکم مالِ مرہون کو اجارہ پر دینے اور اجنبی شخص کے ہاتھ فروخت کرنے یا اسے ہبہ کرنے کے خلاف ہے۔ جب کہ یہ معاملہ ان میں سے ایک شخص نے دوسرے کی اجازت سے سرانجام دیا ہو (یعنی جب راہن و مرتہن میں سے ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون چیز کو اجارے پر دے دیا یا اسے

اجنبی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یا اسے ہبہ کر دیا تو اس صورت میں دوسرا شخص اپنے چاہنے پر واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس قسم کا معاملہ (یعنی اجارہ یا بیع یا ہبہ) مرہون چیز کو رہن ہونے کی حالت سے خارج کر دیتا ہے اور معاملہ رہن اس وقت تک عود نہیں کرتا جب تک کہ عقدِ جدید نہ کیا جائے۔

اگر مذکورہ (اجارے، بیع، یا ہبہ کی) صورت میں راہن مالِ مرہون مرتہن کو واپس کرنے سے پہلے وفات پا گیا تو مرتہن اس مال میں راہن کے دیگر قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ کیونکہ اجارہ، بیع یا ہبہ جیسے تصرفات کی بناء پر اس مال سے غیر کا لازمی حق متعلق ہو چکا ہے اس لیے رہن کا حکم باطل ہو جائے گا۔ لیکن عاریۃً کے طور پر دینے کی صورت میں مالِ مرہون سے لازمی حق متعلق نہیں ہوتا لہٰذا دونوں قسم کے تصرفات میں فرق واضح ہو گیا۔

مسئلہ:۔ اگر مرتہن نے راہن سے مالِ مرہون مستعار لیا کہ اسے اپنے استعمال میں لائے (مثلاً تعمیر وغیرہ کے اوزار وغیرہ) لیکن کام شروع کرنے سے پہلے ہی مالِ مرہون تلف ہو گیا تو اس تلف کا ہونا راہن کی ضمان پر ہوگا کیونکہ رہن کا قبضہ تاہنوز باقی تھا۔ اگر کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مالِ مرہون تلف ہو تو بھی یہی حکم ہوگا۔ اس لیے کہ فراغت کے بعد عاریت کا قبضہ مرتفع ہو چکا ہے۔

اگر مالِ مرہون کام کے دوران تلف ہو تو یہ تلف ہونا ضمانت کے بغیر ہوگا کیونکہ مالِ مرہون کے زیرِ استعمال ہونے کی بناء پر عاریت کا قبضہ ثابت

وموجود ہے اور قبضۂ عاریت قبضۂ رہن کے منافی ہوتا ہے تو ضمانت منتفی ہوگئی ۔

اسی طرح اگر راہن نے مرتہن کو استعمال کی اجازت دے دی تو یہی حکم ہوگا جیساکہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے (کہ استعمال کی صورت میں تلف ہونے پر ضمانت نہ ہوگی)

اگر کسی شخص نے رہن رکھنے کے لیے کوئی کپڑا دوسرے شخص سے مستعار لیا تو قلیل یا کثیر مقدار جس کے عوض رہن رکھے جائز ہوگا۔ کیونکہ کپڑے کو عاریت پر دینے والا شخص مرتہن کے لیے قبضہ کی ملکیت ثابت کرنے کی بنا پر تبرع و احسان کرنے والا ہے۔ تو اس تبرع کو ایسے احسان پر قیاس کیا جائے گا جو مالِ عین اور قبضہ دونوں کے دینے کی صورت میں ہوتا ہے اور وہ قرض کا ادا کرنا ہے۔ (جس طرح اصل مالک کا اپنے مالِ عین کا مالک بنا کر قرضہ کی ادائیگی درست ہے۔ مثلاً ا نے ب سے کہا کہ میں تمھاری رضامندی سے تمہارے مال سے قرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ تو ب کی اجازت پر قرض کی ادائیگی درست ہوگی۔ اسی طرح اگر ب احسان و تبرع کے طور پر ا کا قرض ادا کر دے تو بھی صحیح ہوگا۔ اور اس نے ادائے قرض میں اپنا مال عین اور قبضہ دونوں دیے ہیں) اور یہ جائز ہے کہ قبضہ کی ملکیت مالِ عین کی ملکیت سے منفصل اور الگ ہو۔ اس قبضہ کو مرتہن کے لیے ثابت کرنے کی وجہ سے جیسے کہ اس قبضہ کی ملکیت زائل ہونے کے لحاظ سے بائع کے حق میں منفصل اور جدا ہوتی ہے (یعنی بائع جب کوئی چیز فروخت کر

دے تو مبیع سے بائع کی ملکِ عین زائل ہو جاتی ہے اور مشتری کو قبضہ دینے کی صورت میں ملک قبضہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مشتری کے لیے پہلے ملکِ عین ثابت ہوتا ہے پھر ملک قبضہ۔ تو معلوم ہوا کہ ملکِ عین اور ملکِ قبضہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مرتہن کو مالِ مرہون کا ملکِ قبضہ حاصل ہوتا ہے ملک عین نہیں ہوتا۔ یعنی راہن مرتہن کو مالِ مرہون کا ملکِ قبضہ دے دیتا ہے۔ ملکِ عین اسی کا ہوتا ہے۔ تو جس طرح اپنی ذاتی چیز کا رہن رکھنا جائز ہے اسی طرح مستعار چیز کا رہن رکھنا بھی جائز ہوگا) اور اطلاق ایک ایسا امر ہے جس کا اعتبار کرنا ضروری ہے خصوصًا عاریت پر دینے کے معاملے میں کیونکہ عاریت کے سلسلے میں جہالت کا پایا جانا موجب نزاع نہیں ہوتا (البتہ بیع کی صورت میں معمولی سی جہالت بھی نزاع کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ لیکن معاملۂ رہن میں اس قسم کا اطلاق و ابہام نزاع پر منتج نہیں ہوتا)

مسئلہ :- اگر عاریت پر دینے والے نے کسی حق دار کی تعیین کر دی تو مستعیر کے لیے معینہ مقدار سے زائد کے عوض رہن رکھنا جائز نہ ہوگا اور نہ اس معینہ مقدار سے کم کے عوض رہن جائز ہوگا۔ کیونکہ عاریت پر دینے والے کا کسی مقدار کی قید لگانا مفید امر ہے۔ (یعنی معین مقدار کی قید لغو اور بے فائدہ نہیں بلکہ) اس قید سے معین کردہ مقدار سے زائد کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس قید سے عاریت پر دینے والے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مالِ معین اس قدر قرض کے عوض محبوس ہو کہ جس کی ادائیگی آسان ہو۔ اسی

طرح مقدار کی تعیین کم مقدار کی نفی بھی کرتی ہے۔ کیونکہ عاریت پر دینے والے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مالِ مرہون کے تلف ہو جانے کی صورت میں زائد مقدار کا وصول کرنے والا ہو جائے تاکہ عاریت پر دینے والا اس سے واپس لے (حاصل یہ ہے کہ معیر بسا اوقات کسی مصلحت کے پیش نظر یہ متعین کرتا ہے کہ یہ مستعار چیز اس قدر قرض کے عوض رہن رکھی جائے تو اس صورت میں مستعیر کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ اس سے زائد یا کم مقدار میں اسے رہن رکھے۔ زیادتی کی صورت کا جواز اس لیے نہیں کہ ممکن ہے معیر یہ چاہتا ہو کہ یہ چیز اس قدر قرض کے عوض رہن ہو جس کی ادائیگی اس کے لیے سہل ہو۔ کہ اگر راہن یعنی مقروض قرض ادا نہ کر سکے تو یہ شخص خود قرض ادا کر کے اپنی چیز واگذار کرا لے اور عاریت پر دی ہوئی چیز اسے واپس مل جائے تو یہ غرض ایک مفید غرض ہے لہٰذا یہ قید فائدہ مند ہوگی۔

معین مقدار سے کم کا جواز اس لیے نہیں کہ اس صورت میں معیر کی غرض یہ ہوگی کہ اگر مالِ مرہون مرتہن کے پاس ضائع ہو جائے تو اس کو رہن سے بقدرِ قرض وصولی ہو سکے کیونکہ مرتہن کے قبضہ میں مالِ مرہون قابلِ ضمان ہوتا ہے۔ اور اس کا ضائع ہونا بحق قرض شمار ہوتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ رہن معین کردہ مقدار سے کم میں نہ ہو تاکہ مالِ مرہون تلف ہونے کی صورت میں راہن نے جو قرض مرتہن سے لیا ہوا ہے وہ معیر اور مالِ مرہون کے مالک کو مل جائے اگر اس شرط کی پابندی نہ کی جائے تو معیر کو لامحالہ نقصان ہوگا۔ حالانکہ معیر تو تبرع و احسان

سے کام لینے والا ہے اسے کسی نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا مناسب نہیں۔
مثلاً ایک ہزار روپے قیمت کی چیز راہن نے ایک ہزار روپے قرض کی
بجائے پانچ سو کے قرض کے عوض رہن رکھی۔ مالِ مرہون مرتہن کے ہاں
تلف ہوگیا تو مرہون کا مالک مستعیر سے صرف اسی قدر وصول کرسکتا ہے
جس قدر اس نے مرتہن سے قرض لیا تھا۔ حالانکہ یہ عوض مالِ مرہون کی قیمت
سے کم ہے۔ مرہون چیز کے مالک کی غرض صرف اسی صورت میں پوری ہوسکتی
ہے جب کہ معین کردہ مقدار سے کمی نہ کی جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کمی یا
زیادتی مصلحت پر مبنی ہے۔ مستعیر راہن کے لیے قید کی پابندی ضروری
ہوگی۔ اگرچہ احناف کے نزدیک عاریت کا معاملہ قابلِ ضمان نہیں ہوتا
لیکن مرہون ہونے کی وجہ سے مرتہن کا قبضہ قابلِ ضمان ہوتا ہے اور اس
کے ہاں مرہون کا تلف بعوض قرض شمار ہوتا ہے۔ اور قرض کی ساقط ہونے
والی مقدار ایسی چیز ہے گویا مستعار چیز کا معاوضہ مستعیر کو حاصل ہوگیا لہٰذا
مناسب ہے کہ حاصل شدہ بدل اور معاوضہ مالک کو واپس کیا جائے کیونکہ
قرض کے سقوط کی منفعت اسی مالِ مستعار کے بالمقابل حاصل ہوئی ہے۔
یعنی مرتہن کے پاس مالِ مرہون کے تلف ہوجانے سے وہ قرض ساقط ہو
جاتا ہے جس کے عوض مستعار چیز کو رہن رکھا جاتا ہے اور اس صورت
میں یہ ممکن ہوگا کہ معیر مستعیر سے اس مقدار کے لیے رجوع کرے جو اس نے
مرتہن سے قرض لی ہے۔ ایسی صورت میں اگر مقدارِ قرض کم ہو تو معیر
کو اسی کے بقدر رجوع کا حق ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس میں معیر کا نقصان

ہے۔ سراج الہدایۃ)

اسی طرح رہن کا کسی جنس۔ مرتہن اور شہر سے متقید کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر قید اپنی جگہ پر مفید ہے۔ اس لیے کہ بعض اجناس بہ نسبت بعض دیگر کے آسانی سے دستیاب ہوتی ہیں۔ اور امانت و حفاظت کے سلسلے میں لوگوں کے حالات متفاوت ہوتے ہیں (بعض لوگ لاابالی قسم کے ہوتے ہیں دوسرے کے مال کی حفاظت کما حقہ نہیں کرتے۔ اور کچھ لوگ ذمہ داری کا پورا احساس رکھتے ہیں۔ اس لیے معیر اس قسم کی تعیین کر سکتا ہے) اگر مستعیر نے مقرر کردہ پابندی اور شرط کی خلاف ورزی کی تو ضامن ہوگا (یعنی معیر کو تاوان لینے کا حق ہوگا)۔

معیر کو اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو مستعیر سے تاوان لے لے اس طرح مستعیر اور مرتہن کے درمیان عقد رہن کی تکمیل ہو جائے گی کیونکہ مستعیر تاوان کی ادائیگی سے مال مرہون کا مالک ہوگیا ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنی ہی مملوکہ چیز بطور رہن رکھی۔

یا اگر معیر چاہے تو مرتہن سے تاوان وصول کرے اور مرتہن ادا کردہ تاوان اور قرض کے سلسلے میں راہن کی طرف رجوع کرے۔ اس مسئلے کی تفصیل مرہون پر استحقاق ثابت ہونے کی ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔

اگر مستعیر نے معیر کے ساتھ اس امر پر موافقت کر لی کہ میں نے یہ مال اتنی ہی مقدار کے عوض رہن رکھا ہے جس مقدار کا مجھے معیر نے حکم دیا تھا۔ (تو دیکھا جائے گا) اگر مال مستعار کی قیمت قرض کے برابر ہو یا زائد ہو یا

مال مستعار مرتہن کے ہاں تلف ہو جائے۔ تو یہ مال راہن سے باطل ہو جائے گا (یعنی راہن کے ذمہ سے قرضہ ساقط ہو جائے گا) کیونکہ مال کے تلف ہو جانے کی بنا پر مرتہن پورے قرض کی وصولی کرنے والا ہو گا۔ اور اسی نوع کا کپڑا مالک ثوب یعنی معیر کے لیے راہن کے ذمہ واجب ہو گا (یعنی جس نوع کا کپڑا اس نے عاریتہً لے کر رہن رکھا تھا اسی قسم کا کپڑا یا اس کی قیمت معیر کو ادا کرے) کیونکہ مستعیر نے اپنا قرض معیر کے مال سے اسی مقدار کے مطابق ادا کیا ہے (جو اس نے معیر سے عاریت پر لیا تھا) اور یہی چیز حقِّ رجوع کو ثابت کرنے والی ہے۔ صرف قبضہ سے حق رجوع ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قبضہ کا وقوع تو معیر کی رضامندی سے ہوا تھا۔ (یعنی صرف قبضہ کی بنا پر تاوان ثابت نہیں ہوا کرتا کیونکہ یہ قبضہ امانتی قبضہ ہے۔ لیکن اس مال سے اپنا قرض ادا کرنا موجب رجوع ہے۔

اسی طرح اگر مستعار کپڑے میں کسی عیب کا ظہور ہوا تو اسی حساب سے قرض ساقط ہو جائے گا۔ اور اسی نوع کا کپڑا مالکِ ثوب کے لیے بذمہ راہن واجب ہو گا جیسا کہ ہم مذکورہ بالا سطور میں بیان کر چکے ہیں۔

اگر کپڑے کی قیمت مقدارِ قرض سے کم تر ہو تو تلف کی صورت میں قرض کی مقدار سے بقدر قیمت ساقط ہو جائے گی اور باقی قرض راہن کے ذمہ مرتہن کے لیے واجب رہے گا کیونکہ قیمت سے زائد مقدار کی وصولی نہیں پائی گئی۔ اور راہن کے ذمہ مالکِ ثوب کے لیے اسی قدر واجب ہو گا جس مقدار سے وہ اپنے قرض کی ادائیگی کرنے والا ہوا ہے۔ جیسا کہ

ہم نے بیان کیا ہے (کہ اس نے معیر کے مال سے اپنا قرض اسی قدر ادا کیا ہے)

مسئلہ:۔ اگر مالِ مستعار مرہون کی قیمت قرض کے برابر ہو اور معیر ارادہ کرے کہ جبراً اس کپڑے کو راہن سے واگزار کرا لے (یعنی واگزار کرانے میں راہن کی رضامندی کا خیال نہ رکھے) تو مرتہن کو مالِ مرہون کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا جب کہ قرض کی ادائیگی کر دی جائے۔ کیونکہ معیر کو متبرع اور احسان کرنے والے کی حیثیت حاصل نہیں بلکہ وہ تو اپنی مملوک چیز کو واگزار کرا رہا ہے۔ بنا بریں وہ جس قدر رقم کی ادائیگی کرے گا اس کا راہن سے مطالبہ کرے گا۔ لہٰذا مالِ مرہون کی واپسی پر مرتہن کو مجبور کیا جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ ایک اجنبی شخص قرض کی ادائیگی کرے (تو مرتہن کو مجبور نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ اجنبی تبرع اور احسان سے کام لینے والا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی تگ و دو نہ تو اپنا ذاتی مال واگزار کرانے کے لیے ہوتی ہے اور نہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرض سے سبکدوش ہو جائے۔ تو قرض خواہ کو حق حاصل ہے کہ اجنبی کے اس تبرع کی پیشکش کو قبول نہ کرے۔

مسئلہ:۔ اگر رہن رکھنے سے پہلے مستعیر کے ہاں کپڑا تلف ہو جائے یا فکِّ رہن کے بعد معیر کو واپس دینے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کپڑے کی وجہ سے اپنا کچھ قرض بھی ادا نہیں کیا۔ حالانکہ مستعیر کے حق میں موجب ضمان یہی امر ہوتا

ہے کہ وہ اس مال سے اپنا قرض ادا کرے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔
اگر معیر اور مستعیر میں تلف کے بارے میں اختلاف ہو جائے (مثلاً معیر دعویٰ کرے کہ کپڑا رہن کی حالت میں تلف ہوا ہے اور مستعیر کہے کہ رہن سے پہلے یا فکِ رہن کے بعد تلف ہوا ہے) تو قسم کے ساتھ مستعیر کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ مستعیر ان دونوں حالتوں میں دعوائے تلف کرتے ہوئے اداءِ قرض سے انکار کر رہا ہے۔ (اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ منکر کا قول قسم کے ساتھ قابل قبول ہوتا ہے) جس طرح کہ معیر اور مستعیر کے درمیان اس مقدار کے بارے میں جس کے عوض رہن رکھنے کا معیر نے حکم دیا تھا اختلاف رونما ہو جائے تو معیر کی بات قابلِ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ معیر اگر اصل عاریت ہی سے انکار کر دے تو اسی کا قول قابلِ قبول ہوتا ہے۔ اسی طرح معیر جب اس کے کسی وصف یعنی مقدار سے انکار کر دے تو بھی اسی کا قول قابلِ قبول ہوگا۔
اگر مستعیر نے مستعار کپڑا موعود قرض کے عوض رہن رکھا۔ یعنی ایسے شخص کے ہاں رہن رکھا جس نے کسی مقدار کے قرض دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن مال مستعار مرتہن کے ہاں قرض دینے سے پہلے ہی تلف ہو گیا۔ حالیکہ مالِ مرہون کی قیمت اور قرض کی مقدار (جس کے دینے کا وعدہ کیا گیا تھا) برابر ہیں تو راہن وعدہ کرنے والے مرتہن سے موعود مسمّٰی بطور تاوان لے گا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ موعود بمنزلہ موجود ہوتا ہے اور معیر اس مستعیر راہن سے ضمانِ مثلی کا مطالبہ کرے گا اس لیے کہ بالبیتِ رہن کا سالم رہنا بایں طور کہ راہن مرتہن سے وصول کرلے ایسا ہی ہے جیسا کہ

مرہون کا اس کے لیے اس طرح سلامت رہنا کہ وہ قرض سے عہدہ برا ہو جائے (یعنی اگر قرضہ سے راہن کا ذمہ بری ہو جاتا جب کہ مرہون تلف ہو جاتا تو یہی ہوتا کہ گویا راہن کے لیے مرہون مسلم ہو گیا اس طرح جب اس کے عوض اس نے ضمان وصول کر لی تو مرہون کی مالیت اس کے لیے سالم ہو گئی۔ تو دونوں صورتوں میں راہن نے مرہون کو اپنے کام میں صرف کیا لہذا معیر کو تاوان لینے کا اختیار ہے۔ عین الہدایہ)

مسئلہ:۔ اگر مال مستعار غلام ہو (مثلاً ا نے اپنا غلام ب کو رہن رکھنے کے لیے عاریت پر دیا اور ب نے رہن رکھ دیا) اور معیر اسے آزاد کر دے تو اعتاق جائز ہو گا۔ کیونکہ معیر کا ملک رقبہ قائم ہے۔ مرتہن کو دو طرح سے اختیار ہے۔ چاہے تو راہن سے قرض کا مطالبہ کرے کیونکہ ابھی تک اس نے قرض وصول نہیں کیا۔ اور اگر چاہے تو معیر سے قیمت کا ضمان وصول کرے۔ کیونکہ معیر کی رضامندی کے ساتھ مرتہن کا حق اس غلام کی گردن سے متعلق ہو چکا ہے لیکن اس نے آزاد کر کے اس حق کو تلف کر دیا (تو معیر سے قیمت کا ضمان لیا جا سکتا ہے)۔

پھر یہ قیمت مرتہن کے پاس رہن رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنا قرض وصول کرے (جب اسے قرض وصول ہو جائے) تو یہ قیمت معیر کو لوٹا دے۔ کیونکہ قیمت کا لوٹانا مال عین کے لوٹانے کی طرح ہو گا۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی غلام یا چوپایہ رہن رکھنے کے لیے عاریۃً لیا لیکن رہن رکھنے سے پہلے اس نے غلام سے خدمت لی یا چوپائے پر سواری

کرلی۔ بعدازاں انھیں ایسے مال کے عوض رہن رکھ دیا جو ان کی قیمت کے مساوی ہے۔ پھر راہن نے مال ادا کر دیا لیکن ابھی تک ان کو قبضے میں نہیں لیا تھا کہ وہ مرتہن کے پاس ہی تلف ہوگئے تو راہن پر تاوان واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ مالک کی رضا سے جس وقت اس نے رہن رکھ دیا تو وہ ضمان سے بری ہو گیا اس لیے کہ راہن کو ان دونوں کے معاملہ میں امین کی حیثیت حاصل تھی۔ جس نے پہلے تو مالک کی مرضی کے خلاف کام کیا لیکن پھر اس کی موافقت کی طرف رجوع کر لیا (امین اگر مالک کی مرضی کے خلاف تصرف کرے اور امانت ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مالک کی رضا کی موافقت میں تصرف کرے تو ضمان سے بری ہو جاتا ہے)۔

اسی طرح اگر مالِ مرہون کو واگزار کر لیا بعد ازاں چوپائے پر سوار ہوا یا غلام سے خدمت لی اور چوپایہ یا غلام تلف نہ ہوا۔ پھر اس کی کسی حرکت یا عمل کے بغیر چوپایہ یا غلام تلف ہو گیا تو مستعیر ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ انفکاکِ رہن کے بعد مستعیر کو امین کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اسے مستعیر شمار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ انفکاکِ رہن کی بناء پر عاریۃً پر لینے کا حکم اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے یعنی ختم ہو چکا ہے۔ درآنحالیکہ اس نے مخالفت سے موافقت کی طرف رجوع کر لیا لہٰذا ضمان سے بری ہوگا اور راہن کے ضمانت سے بری ہونے کا یہ حکم ایسے مستعیر کے خلاف ہے جس نے ذاتی انتفاع کے لیے کوئی چیز عاریت پر لی ہو۔ کیونکہ ایسے مستعیر کا قبضہ ذاتی قبضہ ہوتا ہے (مالک کا قبضہ نہیں ہوتا)۔

اس لیے مستعار چیز کا مالک کے قبضے میں آنا ضروری ہوتا ہے۔ (اور مذکورہ صورت میں یہ بات نہیں پائی گئی اس لیے ضمانت سے براءت نہ ہوئی) لیکن جو شخص مال کو رہن رکھنے کے لیے عاریت پر لینے والا ہو وہ مالِ مستعار کو مرتہن کے سپرد کر دینے سے معیر کے مقصد کو پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ جب مرتہن کے پاس مال تلف ہو جائے تو اسے راہن سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہو۔ اور استیفاءِ حق اس کے لیے ممکن ہو۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ مال مرہون پر راہن کی طرف تعدی اور زیادتی قابلِ ضمان ہوتی ہے (یعنی راہن اگر مال مرہون میں تصرف کر کے اسے عیب دار بنا دے تو وہ ضامن ہوتا ہے) کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ایک محترم اور لازم حق میں رخنہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور کسی مال سے جب اس قسم کا حق متعلق ہو تو ضمان کے سلسلے میں وہ حق مالک کو اجنبی شخص کے درجہ میں لے آتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایسے مرض میں مبتلا ہوا جو اس کی موت پر منتج ہوا تو اس مریض کے مال سے ورثاء کا حق اسی حالت مرض میں متعلق ہو جاتا ہے اور یہ حق مریض کے ایسے تصرف سے جو تبرع کے درجہ میں ہو تہائی مال سے زیادہ مقدار میں مانع بن جاتا ہے (یعنی اس قسم کا مریض تہائی مال سے زیادہ میں کسی قسم کا تصرف یا وصیت وغیرہ نہیں کر سکتا کیونکہ دو تہائی مال سے ورثاء کا حق محترم متعلق ہو چکا ہے) دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے

اپنے غلام کے بارے میں کسی شخص کے لیے خدمت کی وصیت کی۔ جب موصی کے ورثاء نے اس غلام کو تلف کر دیا تو اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔ تاکہ اس قیمت سے دوسرا غلام خریدا جائے اور وہ تلف ہونے والے غلام کے قائم مقام ہو (تاکہ میت کی وصیت باطل نہ ہو)۔

مسئلہ: امام قدوریؒ نے فرمایا۔ مالِ مرہون میں تعدّی اور زیادتی کا تصرف بقدر زیادتی مقدارِ قرض کو ساقط کر دیتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تاوان بصفتِ قرضہ ہو (قرض دراہم و دنانیر کی صورت میں ہو۔ مثلاً مرہون پر تعدی کرنے کا تاوان سو روپیہ مقرر کیا گیا۔ غلام کی قیمت دو صد روپے ہے تو نصف قرض ساقط ہو جائے گا۔ لیکن قرض اگر پچاس من گندم یا کوئی دیگر مکیلی یا موزونی چیز ہے تو اس صورت میں حساب سے قرض کا ساقط ہونا متصور نہ ہو گا) اس کی وجہ یہ ہے کہ عینِ مرہون مالک کی ملکیت ہے اور مرتہن نے اس پر تعدی کی ہے لہٰذا وہ اس تعدی کا مالک کے لیے ضامن ہو گا (اور تعدی کا جو تاوان مقرر کیا جائے گا وہ قرض سے محسوب ہو گا)

مسئلہ: مرہون کی جنایت خواہ راہن پر ہو یا مرتہن پر ہو (یا دونوں پر ہو) یا دونوں کے مال پر ہو ہدر یعنی رائیگاں ہو گی (اور قابلِ ضمان نہ ہو گی) یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مرہون کی جو جنایت مرتہن پر ہو قابلِ اعتبار ہے (یعنی قابلِ ضمان ہے۔ البتہ راہن پر جنایت قابلِ ضمان نہیں)۔

جنایت علی النفس سے مراد وہ جنایت ہے جو مال واجب کرنے والی ہو۔ مثلاً قتلِ خطاء وغیرہ۔ (اگر جنایت اس نوع کی ہو کہ جس سے قصاص لازم آتا ہے تو ایسی جنایت اس ذیل میں داخل نہ ہوگی کیونکہ غلام سے بھی قصاص لیا جاتا ہے)

متفق علیہ مسئلے (یعنی جب مرہون راہن پر جنایت کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ جنایت بالاتفاق موجب ضمان نہیں ہوتی) کی دلیل یہ ہے کہ مرہون کا راہن پر جنایت کرنا مملوک کے مالک پر جنایت کرنے کی طرح ہے۔ (اور غلام کو رہن رکھ دینے سے مالک کی ملکیت باقی ہوتی ہے) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر مرہون غلام وفات پا جائے تو تجہیز و تکفین کے مصارف راہن کے ذمہ ہوتے ہیں۔ بخلاف غصب کردہ غلام کے کہ اگر وہ مغصوب منہ یعنی مالک پر جنایت کرے تو یہ جنایت قابلِ اعتبار ہوگی کیونکہ ضمانِ غصب ادا کر دینے کے بعد غاصب کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اس ملکیت کو غصب کے وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (تو غلام کی جنایت مالک پر نہ ہوئی بلکہ غیر مالک پر ہوئی)۔ اسی لیے (کہ ادائے ضمان کے بعد غاصب کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے) غلام کے مرنے پر تجہیز و تکفین کے اخراجات غاصب کے ذمہ ہوتے ہیں۔ پس مغصوب غلام کی مغصوب منہ پر جنایت کرنا غیر مالک پر جنایت کرنا ہوگا لہٰذا اس کا اعتبار کیا جائے گا (اور یہ جنایت قابلِ ضمان ہوگی)۔

اختلافی مسئلے (جب مرہون مرتہن پر جنایت کرے) میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتہن کی صورت میں جنایت غیر مالک پر وقوع پذیر ہوتی ہے اور اسے قابلِ اعتبار تسلیم کرنے میں ایک فائدہ بھی ہے کہ یہ مجرم غلام جنایت کے عوض مرتہن کو دے دیا جائے تو جنایت قابلِ اعتبار ہے۔ پھر اگر راہن و مرتہن چاہیں تو باہمی رضامندی سے عقدِ رہن کو توڑ دیں۔ اور غلام جرم کی بنا پر مرتہن کو دے دیا جائے (اگر مرتہن نے قبول کر لیا تو غلام اس کا ہو جائے گا اور دین ساقط ہو جائے گا)۔

اگر مرتہن نے کہا کہ میں جنایت کا مطالبہ نہیں کرتا تو غلام حسبِ سابق مرہون ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ (کہ مذکورہ مسئلے میں مرہون غلام کی جنایت مرتہن کے ذمے عائد نہیں ہوتی اگرچہ غلام نے مرتہن کی ضمانت میں ارتکابِ جرم کیا ہے) اگر ہم اس جنایت کا مرتہن کے لیے اعتبار کریں تو مرتہن پر یہ امر بھی واجب ہوگا کہ غلام کو اس جنایت سے پاک کرے۔ کیونکہ اس جنایت کا وقوع مرتہن کی ضمان کی حالت میں ہوا ہے تو مرتہن پر ضمان واجب کرنے میں کوئی فائدہ نہیں جب کہ مرتہن پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ غلام کو جنایت سے چھڑائے یعنی جنایت کا جرمانہ ادا کرے۔ (کیونکہ آخر اسے مرہون غلام اپنے اصلی مالک کو واپس کرنا ہے)۔

مرہون غلام کا مرتہن کے مال پر جنایت کرنا بالاتفاق قابلِ اعتبار

نہیں جب کہ مرہون غلام کی قیمت اور مقدارِ قرض دونوں برابر ہوں۔ کیونکہ اس کے اعتبار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ مرتہن اس غلام کی ملکیت تو حاصل نہیں کر سکتا حالیکہ فائدہ یہی تھا (کہ غلام مرتہن کا مال ضائع کرنے کی بناء پر مرتہن کی ملکیت میں آجاتا ہے۔ لیکن ملکیت میں داخل ہونا ممکن نہیں کیونکہ اگر مرتہن اس جنایت کی بناء پر غلام کو اپنی ملکیت میں لے لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غلام نے مرتہن کی ضمانت میں جنایت کر کے راہن کی ملکیت کو ضائع کر دیا حالیکہ غلام کے ارتکاب کردہ جرم سے راہن کا کوئی تعلق نہیں۔ اس تلف کو بعوض قرض ہی قابلِ اعتبار تسلیم کیا جا سکتا ہے قرض اور اس کی قیمت برابر ہے۔ تو جو کچھ مرتہن کا مال تلف کیا وہ مفت میں برباد ہوا۔ لہٰذا جنایت کے اعتبار کرنے میں مرتہن کے لیے کسی قسم کا فائدہ مترتب نہ ہوا۔ اسی طرح اگر غلام کی قیمت قرض سے کم ہو تو بھی جرم کے اعتبار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں (عین الہدایہ) تیسری صورت بیان کرتے ہوئے مصنفؒ فرماتے ہیں) اگر مرہون غلام کی قیمت قرض کی مقدار سے زائد ہو تو امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں غلام کی جنایت بقدر امانت مرتہن کے مال میں قابلِ اعتبار رہے گی (یعنی غلام کی قیمت میں قرض سے زائد رقم بطور امانت مرتہن کے پاس ہے) اس لیے کہ زائد مقدار مرتہن کی ضمانت میں نہیں ہوتی۔ تو یہ جنایت ودیعت کے غلام کے مستودع یعنی امین پر جنایت کرنے کے مشابہ ہوگی۔ (جس طرح ودیعت کے غلام کی جنایت مستودع

کے حق میں قابلِ اعتبار ہوتی ہے اور مودع جنایت کا فدیہ دیتا ہے یا غلام ہی کو فدیہ میں دے دیتا ہے۔ کیونکہ ودیعت مستودع کی ضمانت میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح قرض کی مقدار سے زائد رقم مرتہن کی ضمانت نہیں ہوتی۔ لہذا مرتہن کو جنایت کا فدیہ مل جائے گا)

امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی جنایت قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ قرض سے زائد غلام کے حصے میں رہن کا حکم یعنی محبوس ہونا موجود ثابت ہے۔ تو یہ زائد حصہ بھی مضمون ہی شمار کیا جائے گا (بطورِ امانت نہ ہوگا۔ تو مرہون کی جنایت مرتہن کے حق میں ہدر ہوگی)۔

اور یہ (کہ مرہون کی جنایت راہن و مرتہن پہ ہدر ہوتی ہے) اس صورت کے خلاف ہے جب کہ غلامِ مرہون راہن یا مرتہن کے بیٹے پر کسی قسم کی جنایت کرے (تو یہ جنایت بالاتفاق قابلِ اعتبار ہوگی) کیونکہ املاک درحقیقت جدا جدا اور الگ الگ ہیں (یعنی راہن یا مرتہن کی املاک علیحدہ ہیں اور ان کی بالغ اولاد کی املاک الگ ہیں) لہذا اس جنایت کی حیثیت ایسی ہوگی جیسے کہ کسی اجنبی شخص پر جنایت کی گئی ہو۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا۔ ایک شخص نے ایک غلام جس کی قیمت ہزار درہم کے برابر ہے۔ ایک مدت مقررہ تک ہزار درہم کے قرض کے عوض دوسرے شخص کے پاس رہن رکھا۔ غلام کی

قیمت گھٹ کر ایک سو درہم تک پہنچ گئی۔ پھر اس غلام کو ایک شخص نے مار ڈالا۔ اور اس کی قیمت یعنی سو درہم بطور تاوان ادا کر دیے۔ پھر قرض کی میعاد پوری ہو گئی۔ تو مرتہن اپنے قرض کی وصولی کے سلسلے میں یہی سو درہم لے گا اور اس سے مزید کسی چیز کا مطالبہ راہن سے نہیں کرے گا۔
اس مسئلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھاؤ کا گر جانا مرتہن کے قرضے کے ساقط ہونے کا سبب موجب نہیں ہوا کرتا البتہ مرہون کے تلف ہونے سے قرضہ ساقط ہوتا ہے۔ بھاؤ گرنے کی صورت میں ایک سو کا حاصل ہونا اور نو سو کا خسارہ ہونا تلف کے درجہ میں ہو گا۔ یعنی مرتہن کو قرض میں صرف ایک سو حاصل ہوں گے اور باقی بمنزلۂ تلف ہو گا) امام زفرؒ کو اس سے اختلاف ہے (یعنی ان کے نزدیک بھاؤ میں کمی سقوطِ قرض کا سبب ہوتی ہے) امام زفرؒ دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھاؤ گر جانے سے مالیت میں کمی آ جاتی ہے تو یہ کمی عینِ مرہون میں کمی کی طرح ہو گی۔ (جس طرح عینِ مرہون میں کمی متفقہ طور پر سقوط کا سبب ہے اسی طرح بھاؤ کی کمی بھی باعثِ سقوط ہو گی)
ہماری دلیل یہ ہے کہ بھاؤ گھٹنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مال میں لوگوں کی رغبت میں کمی آ گئی ہے (جس کی بنا پر بھاؤ کم ہو گیا) بھاؤ کی اس کمی کا خرید و فروخت کے معاملات میں اعتبار نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ بھاؤ کی کمی سے خیارِ رد ثابت نہیں ہوا کرتا (یعنی بھاؤ گر جانے سے مشتری کو مبیع کے واپس کرنے کا حق نہیں ہوتا) اور بھاؤ کی کمی

کا غصب میں بھی اعتبار نہیں کیا جاتا (مثلاً غاصب نے جس روز غلام غصب کیا اس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی اور جس روز واپس کیا اس کی قیمت ایک سو درہم ہوگئی تھی) تو اس کمی کا ضمان غاصب کے ذمے واجب نہ ہوگا بخلاف اس کے عینِ مرہون میں کمی کا آنا قابل اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ عینِ مرہون میں کسی جزو کے کم ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اسی کمی کے مطابق وصولی متحقق ہوگئی ہے۔ کیونکہ مرتہن کا قبضہ وصولی کا قبضہ ہوتا ہے۔ جب بھاؤ کے کم ہو جانے سے قرض میں کوئی کمی نہ آئی تو مرہون پورے قرض کے عوض رہن ہوگا۔ پس جب اسے ایک آزاد شخص نے قتل کر دیا تو اُسے اس کی حالیہ قیمت یعنی سو درہم کا تاوان دینا ہوگا کیونکہ اتلاف کے تاوان کے سلسلے میں اس قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو اتلاف کے روز ہوتی ہے۔ اس لیے کہ تلافی ضائع ہونے والی مقدار کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ (چونکہ اتلاف کے روز غلام کی قیمت ایک سو درہم تھی۔ لہٰذا اتنی ہی رقم کی ادائیگی بطور تاوان واجب ہوگی) اور تاوان کے یہ سو درہم مرتہن وصول کرے گا اس لیے کہ مستحق کے حق میں یہ تاوان غلام مقتول کی مالیت کا معاوضہ ہے۔ اگرچہ ہمارے فقہی اصول کے مطابق یہ مال خونِ مقتول کے مقابلے میں ہے حتّٰی کہ یہ تاوان کسی آزاد مقتول کی دیت سے زیادہ نہیں ہو سکتا (کیونکہ آزاد شخص کی دیت غلام کی دیت سے زیادہ ہوتی ہے۔ مستحق یہ تاوان مالیت کے عوض لے رہا ہے) لہٰذا یہ دیت مقتول، غلام کی دیت کا عمل ہے۔ کیونکہ آقا اس کا مستحق اس کی مالیت، کی وجہ سے ہی ہوا ہے (ورنہ غلام کا خون اس کا مملوک نہیں)

اور مرتہن کا حق اس کی مالیت سے متعلق ہے۔ اسی طرح جو چیز مالیت کے قائم مقام ہوگی اس کے ساتھ بھی مرہون کا حق متعلق ہوگا۔

پھر مرتہن کو یہ حق نہیں کہ وہ سو درہم سے زائد کسی چیز کا راہن سے مطالبہ کرے کیونکہ رہن کا قبضہ ابتدا ہی سے وصولی کا قبضہ ہوتا ہے۔ اور مرہون کے تلف ہو جانے پر وصولی کا یہ اثر ثابت و متقرر ہو جاتا ہے (یعنی ابتداءً بطورِ وصول قبضہ تھا اور مرہون کے تلف ہونے پر یہ وصولی مقرر ہوگئی) ابتداء میں مرہون کی قیمت ہزار درہم تھی لہٰذا وہ اس کل رقم کا وصول کرنے والا ہوگا (جب اس نے ہزار وصول کر لیے تو اب راہن سے مزید رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا)۔

یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ وہ سو درہم پا کر ایک ہزار کا وصول کنندہ قرار دیا جائے کیونکہ اس سے سود تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ تو یہی کہا جائے گا کہ مرتہن سو درہم ہی وصول کرنے والا ہے۔ اور باقی ماندہ نو سو درہم اس عین مرہون میں رہے۔ پھر جب یہ مرہون تلف ہوگیا تو اس تلف کے ضمن میں باقی ماندہ نو سو درہم کا بھی وصول کرنے والا ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ غلام قتل کے علاوہ خود بخود مر جائے تو استیفاء میں کوئی تردد نہیں ہوتا کیونکہ مرتہن اس غلام کے ذریعے اپنا پورا قرض وصول کرنے والا ہوگا۔ اس لیے یہ صورت سود پر منتج نہیں ہوتی۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر راہن نے مرتہن کو غلام کو فروخت کرنے کا حکم دیا۔ پس مرتہن نے اسے درہم کے عوض فروخت

کر کے اپنے حق قرض کی وصولی کے طور پر یہ سو درہم وصول کر لیے۔ تو وہ راہن سے باقی ماندہ نو سو درہم کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ جب مرتہن نے راہن کی رضامندی اور اجازت سے فروخت کیا (یعنی مرتہن نے بطور وکیل یہ فروخت کی) تو صورت یوں ہو گئی گویا کہ راہن نے غلام کو واپس لے لیا اور خود فروخت کیا۔ اگر ایسی صورت ہو تو معاملۂ رہن باطل ہو جاتا ہے اور قرض باقی رہ جاتا ہے سوائے اس مقدار کے جو مرتہن (غلام کی قیمت کے طور پر) وصول کر چکا ہے۔ یہاں بھی صورت حال ایسے ہی ہے۔ (کیونکہ مرتہن نے صرف ایک سو وصول کیا ہے اور نو سو قرض کے حساب سے باقی ہیں)

مسئلہ: امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا۔ اگر مرہون غلام کو (جس کی قیمت ہزار درہم ہے اور وہ ہزار درہم کے عوض رہن ہے اس کی قیمت کے بھاؤ میں کمی بھی نہیں آئی۔ کفایہ) ایک ایسا غلام قتل کر ڈالے جس کی قیمت ایک سو درہم ہے قاتل غلام قتل کے جرم میں مرتہن کے سپرد کر دیا جائے تو راہن پورے قرض کی ادائیگی کے بعد اسے واگزار کرا سکے گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ راہن کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو پورے دین کے عوض واگزار کرا لے یا اگر چاہے تو وہ مرتہن کے مال کے عوض اس کو مرتہن کے سپرد کر دے (اور مرتہن کا قرض ختم ہو جائے)۔

امام زفرؒ کا ارشاد ہے کہ یہ غلام سو درہم کے عوض رہن ہوگا (اور راہن سو درہم ادا کر کے اسے واگزار کرا سکتا ہے) امام زفرؒ کی دلیل یہ

ہے کہ قبضۂ رہن تو قبضۂ وصولی ہوتا ہے جو مرہون کے تلف ہوجانے کی صورت میں ثابت و متحقق ہوجاتا ہے ۔ البتہ اتنی بات ہے کہ مرتہن نے مرہون کی بجائے ایک ایسی چیز بدلہ میں لی ہے جو مرہون کے دسویں حصے کے برابر ہے لہٰذا اسی کے مطابق قرض باقی ہوگا (یعنی ایک سو کی ادائیگی ہوگئی اور نو سو باقی ہے ۔ البتہ ایک سو کے عوض وہ غلام کو واگزار کرا سکتا ہے)۔

امام زفرؒ کے خلاف ائمۂ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا غلام گوشت و پوست کے لحاظ سے پہلے غلام کے قائم مقام ہے (اگرچہ دوسرے کی قیمت پہلے سے نو حصے کم ہے لیکن اس کمی کو نرخ کی کمی پر محمول کرلیا جائے گا ۔ اگر غلام اول موجود ہوتا اور اس کے نرخ میں کمی آجاتی تو ہمارے اصول کے مطابق قرض میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوتا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ۔
اسی طرح جب فدیہ میں دیا ہوا غلام اس پہلے غلام کے قائم مقام ہوگیا ۔ (تو اس کی قیمت کی کمی کی وجہ سے بھی کچھ قرضہ ساقط نہ ہوگا (ہاں اگر غلام اول تلف ہوجاتا اور اس کے قائم مقام کچھ نہ ہوتا تو پورا قرضہ ساقط ہوجاتا)

راہن کے خیار کے سلسلے میں امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتہن کی ضمانت کی حالت میں مالِ مرہون میں تغیر رونما ہوگیا ہے ۔ اس لیے راہن کو اختیار دیا جائے گا جیسے بیع میں جب کہ مشتری کے قبضہ سے پہلے مبیع قتل ہوجائے یا مغصوب میں جب کہ غلامِ مغصوب غاصب کے قبضہ

میں قتل کر دیا جائے تو مشتری اور مغصوب منہ کو اختیار حاصل ہوتا ہے (تغیر کی بناء پر) اسی طرح رہن کی صورت میں بھی ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ غلام کی ذات میں تغیر کا ظہور نہیں ہوا کیونکہ دوسرا غلام گوشت و پوست کے لحاظ سے پہلے غلام کے قائم مقام ہوگیا ہے جیسا کہ ہم نے امام زفرؒ کے ساتھ استدلال میں بیان کیا ہے (بلکہ تغیر تو صرف قیمت کے لحاظ سے ہے) اور عینِ مرہون ہمارے نزدیک مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتا ہے (تو معلوم ہوا کہ عین مرہون تغیر ذاتی کے بغیر مرتہن کے پاس بطور امانت موجود ہے) لیکن راہن کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ مرتہن کی رضامندی کے بغیر مرہون کو اس کی ملکیت میں دے دے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مرہون کو قرض کے بالمقابل کر دینا دستور جاہلیت ہے۔ اور یہ حکم اب منسوخ ہے (لہٰذا راہن کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ قرض کے عوض مرہون کو مرتہن کی رضامندی کے بغیر اس کے ذمے ڈال دے)۔

آپ کا بیع پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کیونکہ بیع خیار کا حکم فسخ بیع ہوتا ہے اور فسخ امر مشروع ہے۔ اسی طرح آپ کا غصب پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ غاصب کا ضمان ادا کر کے مغصوب چیز کا مالک بن جانا بھی مشروع امر ہے (لیکن معاملۂ رہن میں یہ مشروعیت نہیں پائی جاتی)

اگر غلام کی قیمت کا نرخ کم ہوتے ہوتے سو درہم تک آجائے

پھر اسے ایک ایسا غلام قتل کر دے جس کی قیمت سو روپیہ ہو اور قاتل غلام کو فدیہ کے طور پر مرتہن کے حوالے کر دیا جائے تو ایسی صورت میں بھی مذکورہ اختلاف ہے (یعنی ائمہ ثلاثہ کا امام زفرؒ کے ساتھ اور شیخینؒ کا امام محمدؒ کے ساتھ)

مسئلہ: اگر مرہون غلام نے قتلِ خطا کا ارتکاب کیا تو جنایت کا تاوان مرتہن کے ذمہ ہوگا۔ لیکن مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ غلام کو تاوان کے طور پر دے دے کیونکہ وہ اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو غلام کا مالک بنا دے۔

اگر مرتہن نے فدیہ ادا کر دیا تو محل یعنی مرہون غلام اس جنایت کے اثر سے پاک ہو جائے گا اور قرض علیٰ حالہٖ باقی رہے گا اور مرتہن کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ ادا کردہ فدیہ کا مطالبہ راہن سے کرے۔ کیونکہ جنایت کا وقوع مرتہن کی ضمان میں ہوا ہے۔ اس کی اصلاح کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی۔

مسئلہ: اگر مرتہن نے فدیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو راہن سے کہا جائے گا کہ یا تو غلام کو ورثائے مقتول کے حوالے کر دو۔ یا بصورتِ دیت فدیہ ادا کرو۔ کیونکہ غلام کی ذات پر راہن کی ملکیت قائم ہے۔ مرتہن کے ذمہ فدیہ ادا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مرہون کے ساتھ اس کا حق قائم ہے۔ لیکن جب اس نے ادائیگیِ فدیہ سے انکار کر دیا تو راہن سے حکمِ جنایت یعنی دیت کا مطالبہ کیا جائے گا اور حکمِ جنایت کا تقاضا یہ

ہے کہ راہن کو اختیار دیا جائے اگر چاہے تو غلام کو بطور دیت مقتول کے ورثاء کے حوالے کردے یا فدیہ کی ادائیگی کردے۔

اگر راہن نے غلام کو بطور فدیہ دینا اختیار کیا تو مرتہن کا قرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ ورثاء مقتول کا استحقاق اس غلام پر ثابت ہو چکا ہے ایک ایسے سبب کی بنا پر جو مرتہن کی ضمانت کی حالت میں پایا گیا ہے (یعنی قتل خطاء) تو یہ صورت غلام کے ہلاک ہو جانے کی طرح ہو گی۔ (اگر غلام مرتہن کے پاس مرجاتا تو قرض ساقط ہو جاتا)

اسی طرح راہن اگر فدیہ ادا کردے (تو بھی مرتہن کا قرض ساقط ہو جائے گا اور غلام مرہون اس کے پاس رہے گا) اس لیے کہ غلام جو راہن کے پاس رہ گیا تھا گویا اس کو ایسے مال کے عوض حاصل ہوا جو مرتہن پر واجب ہوا تھا (اور اس کی ادائیگی مجبوراً راہن کو کرنا پڑی) اور وہ فدیہ ہے (کیونکہ جنایت کا وقوع مرتہن کی ضمانت کی حالت میں ہوا فدیہ کا مطالبہ پہلے اسی سے ہو گا۔ اس کے انکار پر راہن سے کیا جائے گا۔ راہن کی ادائیگی پر قرض ساقط ہو جائے گا اور غلام اسے واپس مل جائے گا) بخلاف اس کے اگر مرہون کے بچے نے کسی انسان کو قتل کردیا یا کسی کا مال تلف کردیا۔ تو ابتداءً ہی اس غلام کو صاحب حق کے سپرد کرنے یا فدیہ ادا کرنے کا راہن سے مطالبہ کیا جائے گا اس لیے کہ مرہون کا بچہ مرتہن کی ضمانت میں نہیں ہے (بلکہ یہ بچہ مرتہن کی ضمانت میں نہیں ہے) —— اگر راہن نے اس بچے کو

صاحب حق کے سپرد کر دیا تو بچہ معاملۂ رہن سے خارج ہو جائے گا اور قرض کی مقدار سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا۔ جیسے کہ یہ لڑکا ابتداءً ہی ہلاک ہو جاتا (تو قرض سے کچھ بھی ساقط نہ ہوتا)

اگر راہن (اس بچے کو دینے کی بجائے) فدیہ ادا کر دے تو یہ اپنی ماں کے ساتھ مرہون رہے گا جیسا کہ پہلے دونوں ماں بیٹیا مرہون تھے۔

اگر غلام مرہون نے ایسا مال تلف کیا جو اس کے رقبہ کو محیط ہے یعنی مال کی قیمت غلام کی قیمت کے برابر ہے اور مرتہن نے یہ قرض ادا کر دیا جو غلام پر لازم ہوا ہے (کیونکہ غلام نے جنایت کا ارتکاب کیا ہے) تو قرض اسی طرح راہن کے ذمہ باقی ہوگا جیسا کہ فدیہ کی صورت میں ہوتا ہے (کہ فدیہ ادا کرنے کی صورت میں قرض راہن کے ذمہ ہوتا ہے)۔

اگر مرتہن نے غلام پر واجب قرض کو ادا کرنے سے انکار کیا تو راہن سے کہا جائے گا کہ غلام کو اس کے قرض میں فروخت کر دو ہاں اگر راہن اس کا فدیہ دینا پسند کرے تو اسے اختیار ہے۔ اگر راہن نے یہ قرض ادا کر دیا (جو غلام پر لازم ہوا تھا) تو مرتہن کا وہ قرض جو راہن کے ذمہ ہے ساقط ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے فدیہ کی صورت میں ذکر کیا ہے۔

اگر راہن نے فدیہ ادا نہ کیا اور غلام قرض میں فروخت کر دیا گیا تو اس غلام کی قیمت قرض خواہ یعنی صاحب حق لے گا۔ کیونکہ غلام کی جنایت کا قرض مرتہن کے قرض سے مقدم ہے۔ نیز غلام پر لازم ہونے والا قرض ولی جنایت کے حق سے بھی مقدم ہے اس لیے کہ اس کی ذات

پر لازم ہونے والا حق مولا کے حق سے مقدم ہوتا ہے (عنایہ شرح ہدایہ میں مذکور ہے کہ صاحب ہدایہ کی عبارت یوں ہے لِاَنَّ دَیْنَ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ عَلٰی دَیْنِ الْمُرْتَهِنِ وَحَقِّ وَلِیِّ الْجِنَایَةِ لِتَقَدُّمِهٖ عَلٰی حَقِّ الْمَوْلٰی۔ یعنی حقِ ولی الجنایت میں حق کو مرتہن پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھا جائے گا۔ اس عبارت کا ترجمہ یوں گا۔ غلام کا قرض مقدم ہے مرتہن کے قرض پر اور ولی جنایت کے حق پر بھی۔

سراج الہدایہ میں اس مقام کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ غلام کی ذات پر عائد ہونے والا قرض مرتہن کے حق سے مقدم ہے اس لیے غلام کا قرض خواہ اس کی قیمت وصول کرے گا بلکہ غلام کی ذات پر عائد ہونے والا قرض ولی جنایت کے حق پر بھی تقدم رکھتا ہے۔ مثلاً غلام مدیون نے جنایت کی یکسی کو خطاً قتل کر دیا اور غلام کو ولی جنایت کے سپرد کر دیا گیا لیکن اداء حقوق میں غلام کے قرض خواہ کے حق کو اولیت حاصل ہوگئی کیونکہ غلام کا قرضہ مولیٰ کے حق پر مقدم ہوتا ہے اور ولی جنایت کا حق چونکہ غلام کی ذات پر ملکیت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنا پر کہ چونکہ اس کا حق بھی بمنزلہ مولیٰ کے حق کے ہے لہٰذا ولی جنایت کے حق پر بھی غلام کے قرضے کو فوقیت دی گئی)۔

اگر غلام کا قرض ادا کرنے کے بعد کچھ باقی بچ رہا۔ حالانکہ غلام کے قرضخواہ کا قرض مرتہن کے قرض کے برابر ہے یا غلام کا قرض زائد ہے تو غلام کا قرض ادا کرنے کے بعد باقی بچی ہوئی رقم راہن کے لیے ہوگی اور مرتہن کا

قرض ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ غلام کی ذات تو مرتہن کی ضمانت کی حالت میں ایک سبب کے پیدا ہو جانے سے دوسرے کے استحقاق میں جا چکی ہے۔ تو یہ صورت مرتہن کے پاس مر جانے کی صورت کے مشابہ ہے (اگر غلام مرتہن کی ضمانت کی حالت میں مر جاتا تو مرتہن کا قرض ساقط ہو جاتا۔ اسی طرح جب مرتہن کی ضمانت کی حالت میں ایک ایسا سبب پیدا ہو گیا جس سے غلام دوسرے کے استحقاق میں چلا گیا تو بھی مرتہن کا قرض ساقط ہو جائے گا اور قرض کی زائد رقم راہن کو ملے گی)

اگر غلام کا قرض مرتہن کے قرض سے کم ہو تو دین غلام کی مقدار کے مطابق مرتہن کے قرض میں سے ساقط ہو جائے گا اور غلام کا قرض ادا کرنے کے بعد جو مقدار باقی بچے گی وہ رہن ہی رہے گی جیسے کہ پہلے ہی اس کی مالیت مرتہن کے ہاں رہن تھی۔

اگر مرتہن کے دیے ہوئے قرض کی وصولی کی میعاد آ جائے تو مرتہن اس بقیہ رقم کو اپنے قرض کے طور پر لے کیونکہ یہ اس کے حق کی جنس سے ہے۔ اگر قرض کی میعاد پوری نہ ہوئی ہو تو اس بقیہ رقم کو میعاد کی تکمیل تک روکے رکھے۔

اگر غلام کی قیمت قرض خواہ کے قرض کے برابر نہ ہو بلکہ کمتر ہو تو قرضخواہ غلام کی پوری قیمت وصول کر لے اور مابقی قرض کے لیے کسی سے بھی مطالبہ نہ کرے یہاں تک کہ غلام آزادی حاصل کرے (غلام کے آزاد ہونے پر وہ اس سے مطالبہ کر سکتا ہے) کیونکہ مال تلف کرنے کے تاوان کا تعلق تو

خود غلام کی گردن یعنی ذات سے ہوتا ہے اور ذات کی قیمت تو قرضخواہ نے وصول کر لی ہے۔ باقی حق کی وصولی کے لیے غلام کی آزادی تک انتظار کرنا پڑے گا۔

آزاد ہونے کے بعد جب غلام نے باقی ماندہ رقم ادا کر دی تو غلام بھی رقم کی واپسی کے لیے راہن یا مرتہن یا کسی اور سے مطالبہ نہ کر سکے گا کیونکہ یہ تاوان اس کے اپنے ذاتی فعل سے اس پر واجب ہوا تھا۔

اگر غلام کی قیمت دو ہزار ہو اور وہ ایک ہزار کے عوض مرہون ہو۔ رہن کی حالت میں غلام نے جنایت کا ارتکاب کیا تو راہن اور مرتہن دونوں سے کہا جائے گا کہ دونوں اس کا فدیہ ادا کریں کیونکہ غلام نصف قرض کے عوض مضمون ہے اور نصف بطور امانت مرتہن کے پاس ہے۔ اس لیے مرہون حصے کا فدیہ مرتہن کے ذمہ ہے اور حصۂ امانت کا فدیہ راہن کی ذمہ داری ہے۔

اگر دونوں نے غلام کو ولی جنایت کے سپرد کرنے پر اتفاق کر لیا تو دونوں سپرد کر دیں اور مرتہن کا قرض باطل ہو جائے گا۔ مرتہن کی طرف سے درحقیقت غلام کا دینا جائز نہیں ہوتا (کیونکہ صرف رہن کی بناء پر اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقی ملکیت تو راہن کی ہوتی ہے) جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں (کہ جب مرتہن کو حقیقۃً ملک حاصل نہیں ہوتا اسے تملیک کا حق بھی نہیں ہوتا) بلکہ اس کی طرف سے تو صرف رضامندی پائی جاتی ہے۔

اگر راہن و مرتہن میں اختلاف پیدا ہو گیا (کہ ان میں سے ایک فدیہ دینا چاہتا ہے اور دوسرا غلام ہی کو دینا چاہتا ہے) تو ان میں اس شخص کا

قول قابلِ عمل ہوگا جو فدیہ دینے کا قائل ہو خواہ وہ راہن ہو یا مرتہن (راہن تو چونکہ غلام کا مالک ہے۔ اس کا فدیہ کو ترجیح دینا تو ظاہر ہے) رہا مرتہن کا قول اس بارے میں اس لیے قابلِ قبول ہوتا ہے کہ فدیہ دینے کی صورت میں راہن کے حق کا ابطال لازم نہیں آتا۔ اور راہن کے غلام کے سپرد کر دینے کو ترجیح دینے میں یہ خرابی ہے کہ مرتہن کے حق کا ابطال لازم آتا ہے۔

اسی طرح اگر مرہونہ باندی کا لڑکا جنایت کا مرتکب ہو اور راہن و مرتہن میں اختلاف ہو جائے اور مرتہن کہے کہ میں اس کی جنایت کا تاوان ادا کرتا ہوں تو مرتہن کا قول ہی قابلِ عمل ہوگا۔ اگرچہ مالک سپرد کرنے کو ترجیح دیتا ہو کیونکہ لڑکا اگرچہ ضمانتی مرہون نہیں لیکن وہ مرتہن کے قرض میں محبوس ہے اور مرتہن کے فدیہ کو ترجیح دینے کے ساتھ ایک صحیح غرض وابستہ ہے اور راہن کے حق میں کسی قسم کا ضرر بھی نہیں۔ جہاں تک راہن کا تعلق ہے کہ اگر وہ فدیہ دینا چاہے تو مرتہن اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مرتہن کو غلام کے سپرد کرنے کا حق ہی حاصل نہیں جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں (کہ مرتہن کو عدمِ ملک کی بناء پر تملیک کا حق حاصل نہیں ہوتا تو مرتہن اس امر کو کیونکر ترجیح دے سکتا ہے کہ مرہون کو دے دیا جائے۔

اگر مرتہن نے فدیہ ادا کر دیا تو حصۂ امانت کے فدیہ ادا کرنے میں وہ تبرع اور احسان سے کام لینے والا ہوگا۔ اس واسطے کہ مرتہن کے لیے یہ گنجائش بھی تھی کہ وہ فدیہ کو اختیار ہی نہ کرتا۔ تو اس صورت میں راہن ہی مخاطب و ذمہ دار ہوتا لیکن مرتہن نے جب خود ہی فدیہ کا التزام کر لیا۔ حالانکہ وہ مجبور نہیں تھا تو وہ احسان کرنے والا ہوا۔ اور یہ حکم (کہ مرتہن متبرع ہوگا) اس روایت کی بناء پر ہے جو

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ مرتہن راہن کی حاضری کے باوجود ادا کردہ فدیہ واپس نہیں لے سکتا۔ ان شاء اللہ ہم ان دونوں قولوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے (یعنی قول امام ابو حنیفہؒ اور ان کے مخالف دوسرا قول)

اگر مرتہن فدیہ دینے سے انکار کر دے اور راہن اس کی ادائیگی کر دے تو وہ نصف فدیہ کو مرتہن پر اس کے قرض میں محسوب کر لے گا کیونکہ ایسی حالت میں قرض کا ساقط ہونا ایک لازمی امر ہے (اس لیے کہ جنایت کا وقوع حالت ضمان میں ہوا ہے) راہن خواہ فدیہ دے یا غلام کو سپرد کر دے۔ راہن فدیہ دینے پر متبرّع نہ ہوگا۔

پھر دیکھا جائے گا اگر نصف فدیہ قرض کے برابر یا اس سے زائد ہو تو قرض باطل ہو جائے گا۔ اور اگر نصف فدیہ قرض سے کم ہو تو نصف فدیہ کی مقدار کے مطابق قرض سے ساقط ہو جائے گا اور باقی ماندہ قرض کے بدلے میں غلام مرہون رہے گا۔ کیونکہ غلام کا نصف فدیہ مرتہن کے ذمے واجب تھا۔ جب راہن نے پورا فدیہ ادا کر دیا حالیکہ وہ متبرع نہیں ہے تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ نصف فدیہ کا مرتہن سے مطالبہ کرے اور اس نصف مقدار کا مرتہن کے قرضہ سے مقاصہ ہو گیا (یعنی اس مقدار کا حساب قرض سے لگایا جائے گا اور اس مقدار کے مطابق قرض ساقط قرار دیا جائے گا) گویا کہ مرتہن نے اپنا نصف قرض وصول کر لیا اور باقی ماندہ رقم کے عوض غلام مرہون رہے گا۔

اگر مرتہن نے فدیہ دیا حالیکہ راہن بھی وہاں موجود رہے تو مرتہن کو متبرع قرار دیا جائے گا۔ اگر راہن وہاں موجود نہ ہوا تو مرتہن فدیہ ادا کرنے میں متبرع نہ ہوگا (بلکہ راہن سے مطالبہ کر سکتا ہے) یہ امام ابو حنیفہؒ

کا قول ہے۔

امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام حسنؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مرتہن دونوں صورتوں میں متبرع ہوگا (راہن حاضر ہو یا غیر حاضر) کیونکہ مرتہن نے دوسرے کی ملک کا فدیہ اس کے حکم کے بغیر ادا کیا ہے۔ تو یہ اجنبی کے مشابہ ہوگا (اگر کوئی اجنبی اس طرح کی ادائیگی کرے تو اسے متبرع قرار دیا جاسکتا ہے اور وہ مالک سے رجوع نہیں کرسکتا)

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب راہن حاضر ہے تو اس سے فدیہ یا غلام دینے کا خطاب کیا جاسکتا ہے (کہ جرم کے بدلے یا تو فدیہ دو یا غلام سپرد کردو) لیکن اس کے باوجود جب مرتہن نے خود ہی فدیہ ادا کردیا تو اس نے تبرع اور احسان سے کام لیا جیسا کہ کوئی اجنبی شخص تبرع سے کام لے۔ لیکن جب راہن وہاں موجود نہ ہو تو فدیہ کی ادائیگی کے لیے اسے مخاطب کرنا متعذر ہے اور مرتہن کو یہ احتیاج بھی درپیش ہے کہ جو چیز اس کی ضمانت میں ہے اس کی اصلاح کرے۔ اور یہ بات ممکن نہیں جب تک کہ حصۂ امانت کی بھی اصلاح نہ کرے لہٰذا مرتہن متبرع نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اگر راہن وفات پا جائے تو اس کا وصی مال مرہون کو فروخت کرکے مرتہن کا قرض ادا کردے کیونکہ وصی وصیت کی وجہ سے راہن کے قائم مقام ہے۔ اگر موصی یا راہن خود زندہ ہوتا تو مرتہن کی اجازت کے ساتھ اسے مرہون کے فروخت کرنے کا اختیار رکھتا تو اسی طرح اس کے قائم مقام وصی کو بھی اختیار ہوگا۔

اگر راہن کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی اس کا وصی مقرر کرے اور اسے مرہون کی فروخت کا حکم دے کیونکہ قاضی کو مسلمانوں کے حقوق کا نگران بنایا گیا ہے جب کہ وہ خود اپنے حقوق کی نگہداشت سے قاصر ہوں۔ وصی مقرر کرنے کی مصلحت ظاہر و واضح ہے تاکہ وصی اس حق کی جو راہن کے ذمے ہے ادائیگی کر دے۔ اور دوسروں سے راہن کا حق وصول کر لے۔ (قاضی کے وصی مقرر کرنے سے جانبین کے حقوق کی نگہداشت ہو جاتی ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر میت پر کچھ لوگوں کا قرض ہو اور وصی میت کے ترکے کا کچھ حصہ اس کے قرض خواہوں میں سے کسی ایک قرض خواہ کے پاس رہن رکھ دے تو جائز نہ ہوگا اور دوسرے قرض خواہوں کو اختیار ہوگا کہ وہ مالِ مرہون واپس کرا دیں۔ اس لیے کہ وصی نے بعض غُرَماء کو بعض پر حکماً قرض ادا کرنے کی صورت سے ترجیح دی (حالیکہ تمام قرض خواہ برابر ہیں) تو یہ صورت ایسے ہوگی جیسے کہ وہ اداء حقیقی میں بعض کو بعض پر ترجیح دے۔ (اور یہ شرعاً جائز نہیں)

اگر قرض خواہوں کے واپس کرانے سے پہلے وصی نے تمام غرماء کا قرض ادا کر دیا تو جائز ہوگا کیونکہ مانع امر زائل ہو گیا اس لیے کہ غرماء کا اپنا اپنا حق انھیں وصول ہو چکا ہے۔

اگر میّت کا کوئی دوسرا قرض خواہ نہ ہو تو اداء حقیقی پر قیاس کرتے ہوئے رہن جائز ہوگا (یعنی جس طرح وصی کو حقیقۃً قرض ادا کرنے کا اختیار ہے اسے رہن رکھنے کا بھی اختیار ہے کہ وہ حکماً قرض ادا کر دے)

اور یہ مرہون اس قرض خواہ کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا کیونکہ رہن رکھنے سے پہلے بھی اس کا فروخت کرنا جائز ہے تو رہن رکھنے کے بعد بھی فروخت کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کے ذمے میت کا قرض واجب ہو اور وصی مقروض سے مال لے کر بطور رہن رکھ لے تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ حکماً وصولی ہے اور وصی کو قرض کی وصولی کا اختیار ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ وصی کے رہن کے سلسلے میں کئی تفصیلات ہیں جن کو ہم ان شاء اللہ کتاب الوصایا میں بیان کریں گے۔

فصل

رہن کے متفرق مسائل

مسئلہ:- امام محمدؒ نے فرمایا۔ ایک شخص نے دس درہم کی مالیت کا شیرۂ انگور دس درہم کے عوض رہن رکھا۔ شیرہ شراب میں بدل گیا۔ پھر سرکہ بن گیا جس کی قیمت دس درہم ہے تو وہ دس درہم کے عوض رہن ہوگا کیونکہ جو چیز محل بیع کی حیثیت رکھتی ہے وہ محل رہن بھی بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کی محلیت مالیت کی بناء پر ہے۔ شراب اگرچہ ابتداءً محلِ بیع نہ تھا لیکن وہ بقاء کے لحاظ سے محلِ بیع ہو گیا (یعنی جب وہ سرکہ میں تبدیل ہو گیا) حتیٰ کہ اگر ایک شخص شیرہ خریدے اور قبضہ سے پہلے شیرہ شراب میں تبدیل ہو جائے تو عقد باقی رہتا ہے۔ البتہ مشتری کو بیع میں اختیار ہوگا (کہ اگر وہ چاہے تو عقد بیع توڑ سکتا ہے) کیونکہ مبیع کے وصف میں تغیر آجانا مبیع کے عیب دار ہونے کی طرح ہے۔ یعنی اگر مشتری کے قبضہ سے پہلے مبیع میں کوئی عیب نمودار ہو جائے تو مشتری بیع کو توڑ سکتا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی مشتری کو اختیار رہوگا)۔

مسئلہ:۔ ایک شخص نے دس درہم مالیت کی ایک بکری دس درہم کے عوض رہن رکھی۔ بکری رہن کی حالت میں مرگئی۔ اس کی کھال کو دباغت دی گئی جس کی قیمت ایک درہم کے برابر ہوگئی۔ تو یہ کھال ایک درہم کے عوض رہن ہوگی۔ کیونکہ رہن تلف ہونے کی بنا پر متقرر ہوگیا۔ اور جب محل یعنی مالِ مرہون کا کچھ حصہ زندہ ہوگیا تو اسی مقدار کے مطابق رہن کا حکم عود کر آئے گا۔ بخلاف اس کے اگر فروخت کردہ بکری مشتری کے قبضہ سے پہلے مرجائے اور اس کی کھال کو دباغت دی جائے تو عقدِ بیع عود نہیں کرے گا کیونکہ مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے ہلاک ہوجانے سے معاملۂ بیع ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹا ہوا عقد عود نہیں کیا کرتا۔ لیکن رہن تو مرہون کے تلف ہونے سے ثابت و متقرر ہوجاتا ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔

ہمارے مشائخ کرام میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو اس مسئلۂ بیع کو تسلیم نہیں کرتے اور بیع کے عود کرنے کے قائل ہیں۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ مرہون میں رونما ہونے والا اضافہ راہن کے لیے ہوگا جیسے بچہ۔ پھل۔ دودھ اور اون وغیرہ۔ کیونکہ یہ اشیاء اس کی ملک میں پیدا ہونے والی ہیں۔ لہٰذا یہ اضافہ بھی اصل مرہون کے ساتھ ہی رہن ہوگا۔ کیونکہ یہ اصل کے تابع ہے اور رہن ایک لازمی ہے۔ اس کا حکم تابع میں بھی سرایت کرے گا۔

اگر یہ اضافہ تلف ہوجائے تو کسی تاوان کے بغیر تلف ہوگا کیونکہ اس چیز سے تابع کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا جو اصل کے مقابل ہو۔

اس لیے کہ توابع قصدی طور پر عقد میں داخل نہیں ہوتے۔ کیونکہ الفاظ ان کو شامل نہیں ہوتے (لہذا باندی کے رہن کے سلسلے میں بچہ شامل نہیں ہوگا۔ گائے کے رہن کے سلسلے میں دودھ شامل نہیں ہوتا۔ الغرض اصل کے رہن رکھنے کی صورت میں توابع شامل نہیں ہوتے۔ لہذا اگر مرتہن کی کسی حرکت اور تعدّی کے بغیر توابع ضائع ہو گئے تو نہ تو یہ ضیاع قرض میں محسوب ہوگا اور نہ مرتہن پر تاوان لازم ہوگا)۔

اگر اصل تلف ہوگیا اور اضافہ باقی رہا۔ تو راہن اس اضافے کو اس کے حصہ کے عوض واگزار کرالے۔ حصہ اس طرح نکالا جائے کہ اصل مرہون کو اس قیمت پر جو قبضہ کے روز تھی اور اضافے کی اس قیمت پر جو واگزار کرانے کے دن ہے تقسیم کیا جائے (مثلاً رہن کے دن بکری کی قیمت دس درہم تھی اور واگزار کرانے کے دن بچے کی قیمت دس درہم ہے تو قرض کو ان دونوں پر تقسیم کرنے سے بچہ پر پانچ درہم آئیں گے) کیونکہ رہن قبضہ کی وجہ سے مضمون ہو جاتا ہے اور اضافہ واگزار کرانے کی بناء پر مقصودی ہو جاتا ہے جب کہ وہ واگزار کرانے کے وقت تک باقی ہو۔ اور یہ قانون ہے کہ تابع جب مقصود کا درجہ حاصل کرلے تو اس کے بالمقابل مال کا حصہ ہو جاتا ہے جیسے مبیع کا بچہ (جیسا کہ کتاب البیوع میں بیان کیا جا چکا ہے) تو قرض کا جو حصہ اصل کے مقابل ہوگا ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل مرہون مقصود ہونے کی وجہ سے اس کے مقابل تھا۔ اور جس قدر قرض کا حصہ اضافے کے مقابل میں واقع ہوا۔ راہن اس حصے

کی ادائیگی کہ کے واگزار کرالے گا - جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اس بیان کردہ قانون پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کیا ہے اور ان کی پوری وضاحت الجامع الصغیر اور زیادات میں مذکور ہے۔

مسئلہ: اگر دس درہم مالیت کی بکری دس درہم قرض کے عوض رہن رکھی اور راہن نے مرتہن سے کہا کہ بکری دوہ لیا کرو اور جس قدر دودھ نکلے تمھارے لیے حلال ہے۔ پس مرتہن نے دودھ نکالا اور پی لیا تو اس پر کسی قسم کی ضمان نہ ہوگی۔ کیونکہ اباحت ایسی چیز ہے کہ اس کو کسی شرط یا کسی ایسی چیز سے معلق کرنا جس کے حصول میں خطرہ ہو صحیح ہے (حصول میں خطرہ سے مراد یہ ہے کہ شاید وہ چیز پائی جائے یا نہ پائی جائے) کیونکہ اباحت نام ہے کسی چیز کی اجازت دینے کا۔ تملیک کی یہ صورت نہیں ہوتی (یعنی غیر موجود چیز کی تملیک ممکن نہیں ہوتی) تو اباحت خطر و تردد کے ساتھ کے ساتھ بھی صحیح ہوگی - اور مرتہن کے قرضہ سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ مرتہن نے جو کچھ استعمال کیا ہے وہ مالک کی اجازت سے استعمال کیا ہے۔

اگر راہن نے بکری کو واگزار نہ کرایا حتیٰ کہ وہ مرتہن کے ہاں مرگئی تو کل قرض اس دودھ کی قیمت پر جو مرتہن نے پیا ہے اور بکری کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا پس جو قرض بکری کے بالمقابل ہوا وہ ساقط ہو جائے گا اور جو حصہ دودھ کے بالمقابل ہوا وہ حصہ مرتہن

راہن سے وصول کرے گا کیونکہ مرتہن کے فعل سے دودھ کا تلف ہونا راہن کی ملکیت پر واقع ہوا ہے اور مرتہن کا فعل راہن کی طرف سے قدرت دینے کی بناء پر عمل میں آیا ہے۔ تو یہ صورت ایسے ہو گئی کہ گویا راہن نے خود لے کر تلف کیا تو اس کی ضمانت راہن پر ہو گی۔ لہذا اس دودھ کے مقابلے میں بھی قرض کا حصہ ہو گا اور قرض کی یہ مقدار باقی رہے گی۔

اسی طرح بکری کے بچے کا بھی یہی حکم ہے جب کہ راہن نے مرتہن کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت دے دی۔ نیز ہر اس اضافے کا جو جو مرہون کی وجہ سے رونما ہو اس پر قیاس کرتے ہوئے یہی حکم ہو گا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک رہن میں زیادتی جائز ہوتی ہے اور قرض میں جائز نہیں ہوتی۔ (مثلاً ایک شخص نے ایک بکری کے عوض سو روپیہ قرض لیا۔ پھر ایک گائے بھی رہن میں دے دی تو یہ اضافہ جائز ہے۔ لیکن مرہون شئے کے عوض قرض میں اضافہ کرنا جائز نہیں۔ مثلاً سو روپے قرض کے عوض بکری رہن رکھی تو اب راہن پچاس روپے مزید اس بکری کے عوض بطور قرض نہیں لے سکتا) اور اس زائد مقدار کے بالمقابل مرہون مذکور رہن نہیں ہو گا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قرض میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ رہن اور قرض دونوں میں اضافہ

جائز نہیں۔ یہ اختلاف امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے ساتھ رہن، ثمن، مبیع، مہر اور منکوحہ سب میں یکساں ہے (کہ کسی میں بھی اضافہ جائز نہیں) اس کی تفصیل ہم کتاب البیوع کے باب المرابحہ میں بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ اختلافیہ (کہ قرض میں اضافہ جائز ہے) میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ باب رہن میں قرضہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جیسے باب مبیع میں ثمن کی اور رہن یعنی مرہون بمنزلہ مبیع کے ہوتا ہے لہٰذا دین اور رہن دونوں میں زیادتی جائز ہوگی جیسے بیع میں ہوتی ہے (یعنی جس طرح معاملۂ بیع میں متفقہ طور پر زیادتی جائز ہے اسی طرح معاملۂ رہن میں قرض میں بھی جائز ہوگی)۔

معاملۂ رہن و بیع میں امر جامع اور قدر مشترک ضرورت وحاجت کے پیش نظر زیادتی کا اصل عقد کے ساتھ الحاق اور اس کا امکان ہے (یعنی جس طرح عقد بیع میں ضرورت کے مدنظر اضافے کو اصل عقد کے ساتھ لاحق کر دیا جاتا ہے اسی طرح عقد رہن میں بھی اضافے کو ضرورت کے مدنظر اصل عقد کے ساتھ لاحق کیا جا سکتا ہے یہ اضافہ خواہ مال مرہون میں ہو یا قرض میں)۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قرض میں اضافہ کرنا معاملۂ رہن میں شیوع و شرکت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ (کیونکہ اگر قرض میں اضافے کو جائز قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نصف مال مرہون پہلے قرض کے عوض ہے اور دوسرا نصف دوسرے قرضے کے عوض۔ ایک مال مرہون کا غیر منقسم طور پر دو قرضوں کے درمیان شائع و مشترک ہونا اصول کے خلاف ہے۔ سراج الہدایہ) مال مرہون کا اس طرح مشاع و مشترک ہونا ہمارے نزدیک شرعی طور پر صحیح نہیں۔ اور رہن میں اضافہ قرض میں شیوع کا باعث ہے جو معاملۂ رہن

کی صحت سے مانع نہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر ایک شخص اپنے پورے قرضہ میں سے پانچ سو درہم کے عوض اپنے غلام کو رہن رکھے تو جائز ہو گا اگرچہ کل قرضہ ہزار درہم ہو اور یہ قرضہ میں شیوع ہے (قرضہ میں شیوع صحت رہن سے مانع نہیں ہوتا۔ البتہ قرضہ میں اضافہ کر کے مرہون میں شیوع کرنا ممنوع ہے)

آپ کا یہ کہنا کہ اضافے کا اصل عقد کے ساتھ الحاق کیا جائے درست نہیں۔ کیونکہ قرض کی طرف میں اصل عقد کے ساتھ الحاق ممکن نہیں اس لیے کہ قرضہ نہ تو معقود علیہ ہے اور نہ معقود بہ (یعنی نہ تو اس پر عقد وارد ہوا ہے اور نہ یہ ثمن کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے عقد منعقد ہو) بلکہ قرضہ تو عقدِ رہن سے پہلے واجب ہوتا ہے اور اسی طرح فسخِ رہن کے بعد بھی قرض باقی رہتا ہے اور اصل عقد کے ساتھ اس اضافے کا اتصال ہو سکتا ہے جو عقد کے دو عوضوں میں سے کسی ایک عوض میں ہو (یعنی معقود علیہ اور معقود بہ اور قرض کو نہ تو معقود علیہ کی حیثیت حاصل ہے اور نہ معقود بہ کی تو اصل عقد کے ساتھ اس کا اِتصال درست نہ ہو گا) بخلاف بیع کے کہ اس میں ثمن ایسا عوض ہوتا ہے جو عقد بیع سے واجب ہوتا ہے (بیع سے پہلے واجب نہ تھا۔ مگر رہن میں ایسے نہیں ہوتا کیونکہ رہن میں قرضہ بمنزلہ ثمن نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ رہن کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا بلکہ رہن سے پہلے ہی واجب ہوتا ہے)

جب مرہون میں اضافے کی صحت ثابت ہو گئی اسے زیادتِ قصدیہ کہا جاتا ہے تو کل قرضہ کو اول مالِ مرہون کی اس قیمت پر جو قبضہ کے دن تھی اور اضافے کی اس قیمت پر جو قبضہ کے روز تھی تقسیم کیا جائے گا چنانچہ اضافے کی قیمت قبضہ کے روز اگر پانچ سو درہم ہو اور مرہون کی قیمت قبضہ کے روز ایک ہزار درہم ہو اور قرضہ ایک ہزار درہم ہو تو قرض کے تین حصے کیے جائیں گے۔ اضافے کے مقابلے میں ایک تہائی قرض ہو گا اور

مرہون کے مقابلے میں دو تہائی۔ بلحاظ ان دونوں کی قیمت کے جو قیمت کے اعتبار کرنے کے وقت تھی (یعنی قبضہ کے روز کی قیمت) اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل اور اضافہ ہر ایک کے حق میں ضمان کا واجب ہونا قبضہ کی بنا پر ہوتا ہے۔ تو ہر ایک کی اس قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جو قبضہ کے روز تھی۔

اگر مرہونہ باندی نے بچے کو جنم دیا اور راہن نے اس بچے کے ساتھ رہن میں ایک غلام کا اضافہ کر دیا۔ اور ان میں سے ہر ایک (یعنی بچہ، باندی اور غلام) کی قیمت ایک ہزار درہم ہے تو یہ غلام بچے کے ساتھ خاص طور پر مرہون ہوگا۔ اور قرض کی جو مقدار بچے کے حصے میں آتی ہے وہ بچے اور اضافی غلام پر تقسیم کی جائے۔ کیونکہ راہن نے غلام کو بچے کے ساتھ بطور اضافہ رکھا ہے۔ ماں کے ساتھ نہیں۔

اگر غلام کا اضافہ ماں کے ساتھ ہو تو قرضہ کو عقد کے روز ماں کی قیمت پر اور قبضہ کے روز غلام کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا۔ پس جو قرض باندی کے حصہ میں آئے گا وہ ماں اور اس کے بچہ پر تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ اضافہ اصل مرہون یعنی ماں کے ساتھ واقع ہوا ہے۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا۔ اگر ایک شخص نے ایک ہزار درہم کی مالیت کا غلام ایک ہزار درہم کے عوض رہن رکھا پھر راہن نے پہلے غلام کی بجائے ایک دوسرا غلام جس کی مالیت ایک ہزار درہم ہے بطور رہن دیا۔ تو مالک کو واپس دیے جانے تک پہلا غلام رہن ہوگا اور مرتہن دوسرے غلام کے سلسلے میں اس وقت تک امین ہوگا جب تک کہ پہلے غلام کو واپس کر کے دوسرے کو اس کے قائم مقام نہ کرے۔ کیونکہ پہلا غلام مرتہن کے ضمان میں قبضہ اور قرضہ کی وجہ سے داخل ہوا ہے اور یہ دونوں باقی ہیں تو جب تک قرضہ باقی ہے پہلا غلام ضمان سے خارج نہ ہوگا سوائے اس صورت کے کہ مرتہن قبضہ سابق کو توڑ

دے۔ لہٰذا جب تک پہلا غلام اس کی ضمان میں باقی ہے دوسرا غلام اس کی ضمانت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ راہن و مرتہن دونوں اس امر پر راضی ہیں کہ صرف ایک غلام ضمان میں داخل ہو نہ کہ دونوں۔ اس لیے مرتہن جب پہلے غلام کو واپس کر دے گا تو دوسرا اس کی ضمان میں داخل ہو جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسرے غلام کو مرہون بنانے کے لیے تجدید قبضہ شرط ہے (یعنی نئے سرے سے دوسرے غلام پر قبضہ کرے) کیونکہ دوسرے غلام پر مرتہن کا قبضہ امانتی قبضہ ہے اور رہن کا قبضہ وصولیٔ حق کا اور ضمانتی قبضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا امانتی قبضہ ضمانتی قبضہ کا قائم مقام نہ ہوگا۔ جیسا کہ ایک شخص کے دوسرے کے ذمے کھرے دراہم ہوں لیکن اس نے مقروض سے کھوٹ والے دراہم وصول کیے اور اس نے ان دراہم کو کھرا خیال کیا تھا۔ وصولی کے بعد کھوٹ کا پتا چلا اور مقروض سے کھرے دراہم کا مطالبہ کیا اور کھرے وصول کر لیے تو یہ کھرے دراہم اس کے پاس بطور امانت ہوں گے جب تک کہ کھوٹ والے دراہم اسے واپس نہ کرے اور کھرے دراہم پر قبضہ کی تجدید نہ کرے۔

بعض شارحین نے فرمایا کہ دوسرے غلام پر جدید قبضہ مشروط نہیں کیونکہ عقد رہن ہبہ کی طرح تبرع کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا [illegible] قبضۂ امانت قبضۂ ہبہ کا نائب بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرہون کی ذات امانت ہوتی ہے (صرف مالیت مضمون ہوتی ہے) قبضہ مرہون کی ذات پر وارد ہوتا ہے۔ پس قبضۂ امانت قبضۂ ذات کے قائم مقام ہوگا۔

اگر مرتہن نے راہن کو قرض سے بری کر دیا یا قرضہ اسے ہبہ کر دیا پھر مرہون مرتہن کے ہاں تلف ہو گیا تو استحسان کے پیشِ نظر دہ مفت میں تلف ہوگا (یعنی

کوئی تاوان واجب نہ ہوگا) امام زفرؒ کو اس سے اختلاف ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رہن بمقابلہ قرض مضمون ہوتا ہے یا اس کا مضمون ہونا قرضہ کی جہت سے ہوتا ہے۔ قرض کے پائے جانے کی توقع کی صورت میں۔ جیسا کہ قرض موعود میں ہوتا ہے (کہ مرتہن راہن سے کہے کہ اگر تم فلاں چیز رہن دے دو تو میں اس قدر قرض دوں گا) لیکن بری کرنے یا ہبہ کی بناء پر قرض باقی نہیں رہا اور اس کے ساقط ہوجانے کی وجہ سے قرض کی کوئی جہت بھی باقی نہیں رہی (لہٰذا مرتہن ضامن نہ رہا) البتہ مرتہن اگر راہن کے طلب کرنے پر مرہون دینے سے انکار کرے (اور اس اثناء میں مرہون تلف ہوجائے) تو مرتہن ضامن ہوگا کیونکہ روکنے کی وجہ سے وہ غاصب قرار پائے گا اس لیے کہ اسے روکنے کی ولایت نہیں رہی تھی۔

اسی طرح اگر عورت نے مہر کے عوض رہن لیا پھر اس نے خاوند کو مہر سے بری کر دیا یا اسے ہبہ کر دیا اور العیاذ باللہ دخول سے پہلے ہی مرتدہ ہوگئی (حتیٰ کہ مہر ساقط ہوگیا) یا دخول کے بعد مہر کی رقم پر خلع لے لیا اور مرہون اس کے قبضہ میں تلف ہوگیا تو ان سب صورتوں میں کسی تاوان کے بغیر مفت میں تلف ہو گیا اور عورت ضامنہ نہ ہوگی کیونکہ دینِ مہر تو بری کرنے کی طرح ساقط ہوگیا۔ (اور مرہون اس کے قبضہ میں بطور امانت تھا)۔

اگر مرتہن نے قرض وصول کر لیا خواہ خود راہن سے یا کسی احسان کرنے والے کے ادا کرنے سے پھر مرہون اس کے ہاں تلف ہوگیا تو وہ قرض کے عوض تلف ہوگا اور مرتہن پر واجب ہوگا کہ جو کچھ اس نے وصول کیا ہے وہ اسی شخص کو واپس کر دے جس سے اس نے وصول کیا تھا اور وہ خود راہن ہے یا متطوع۔ بخلاف مرتہن کے بری کر دینے کے (کہ اس صورت میں تلف امانت

کا تلف ہوتا ہے) دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ بری کردینے سے قرض بالکل ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں۔ اور استیفاء یعنی وصول کر لینے کی صورت میں ساقط نہیں ہوتا کیونکہ موجب قرض موجود ہوتا ہے (یعنی جس وجہ سے قرض لیا ہے وہ موجود ہے۔ مثلاً کوئی چیز ادھار خریدی۔ یا کرایہ پر لی یا مہر تھا۔ الغرض جس وجہ سے قرض واجب ہوا تھا وہ موجود ہے، البتہ اس صورت میں راہن سے وصول کرنا متعذر ہوتا ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ مرتہن سے اس کے پیچھے اسی جیسا مطالبہ لگا ہوا ہے راہن کی طرف سے (یعنی اگر اس صورت میں مرہون کو بحق دین ضائع ہونا قرار نہ دیا جائے اور مرتہن راہن سے اپنے اصل قرض کا مطالبہ کرے تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے بعد راہن اپنے مال مرہون کا مرتہن سے مطالبہ کرے گا جو کہ ضائع ہو چکا ہے لہٰذا صورت یہی ہوگی کہ اصل مال مرہون کا تلف ہونا قرضہ میں شمار کیا جائے گا اور مرتہن نے جو کچھ وصول کیا ہے اس کی واپسی کا حکم دیا جائے گا۔ سراج الہدایہ) البتہ جو امر موجب قرض تھا وہ بدستور قائم ہے لہٰذا جب مال مرہون تلف ہوگیا تو پہلی بار کی وصولی (جو رہن کے قبضہ کی صورت میں تھی) ثابت و مستقر ہو جائے گی اور دوسری دفعہ کی وصولی ٹوٹ جائے گی (اور اسے کالعدم قرار دیتے ہوئے وصول کردہ چیز کو واپس لوٹانے کا حکم دیا جائے گا)

اسی طرح قرضہ کے عوض کوئی چیز خریدی یا قرضہ سے کسی مال عین پر صلح کر لی تو بھی یہی حکم ہے (مرتہن پر واجب ہوگا کہ اصل مرہون واپس کردے اگر تلف ہوگیا ہے تو مرہون کو بحق قرض شمار کیا جائے گا اور وہ چیز جو خریدی ہے یا جس پر صلح کی ہے واپس کی جائے گی) کیونکہ یہ بھی استیفاء قرض ہے۔

اسی طرح اگر راہن نے مرتہن کو اپنے قرض کے لیے کسی دوسرے شخص پر حوالہ کر دیا (حتیٰ کہ راہن بری ہو گیا) پھر مرہون تلف ہو گیا تو حوالہ باطل ہو جائے گا اور مرہون کا تلف قرض کے عوض شمار ہو گا کیونکہ حوالہ بھی ادائیگی کے لحاظ سے براءۃ کے ہم معنی ہے (یعنی گویا کہ راہن نے ادا کر کے براءۃ حاصل کی) اس لیے کہ ایسا کرنے سے محیل یعنی راہن نے جس قدر مال کا حوالہ کیا اسی قدر محتال علیہ پر جو محیل کا حق ہے اس میں سے زائل ہو جائے گا یا محتال علیہ اسی قدر محیل سے واپس لے گا (جس کا حوالہ کیا گیا) اگر محتال علیہ پر محیل کا کوئی قرض نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں محتال علیہ بمنزلہ وکیل ہے (اور وکیل مؤکل کے حکم سے جو کچھ خرچ کرے وہ مؤکل سے واپس لے سکتا ہے)۔

اسی طرح اگر راہن، و مرتہن دونوں نے باہمی اتفاق سے اقرار کیا کہ مرتہن کا راہن پر کوئی قرض نہیں پھر مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو قرض کے عوض تلف ہو گا (مثلاً مرتہن نے دعویٰ کر کے پانچ سو درہم کے عوض رہن لیا۔ پھر باہمی اتفاق سے عدم قرض کا اقرار کیا تو مرہون کا تلف ہونا انہی پانچ سو دراہم کے عوض ہو گا) کیونکہ قرض واجب ہونے کا توہم اس بنا پر باقی ہے کہ شاید آئندہ وہ دونوں قرض کے موجود رہنے پر اتفاق کر لیں تو جہت قرض ابھی باقی ہے بخلاف ابراء کے کہ اس میں اصلاً ہی قرض ساقط ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

فہرست موضوعات